لَل وو وندِہ گولُم
جِگر مُورُم —
تیلِہ لَل ناو دراُم
یلِہ دٔلی ترآوی مس تُتی

لَل دید

کلچرل اکادمی سرینگر

سلسلہ انتخابِ منظوماتِ کشمیری نمبر ۹

مؤلف: پروفیسر جیا لال کول

مترجم: پروفیسر نند لال کول طالب

جموں و کشمیر کلچرل اکادمی سرینگر

فہرس

مُقدّمہ ۵

اِنتخابِ کلام ۳۶

ضمیمہ ۱۵۹

مقدمہ

یہ بات جس قدر حیرت انگیز ہے اسی قدر معنی خیز بھی کہ سنت اور صوفی خواہ کسی سرزمین سے اُٹھے ہوں سب ایک سی بات کہہ گئے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بلا وجود مختلف انداز بیان کے ان کے خیالات میں یگانگت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس یگانگت کا ایک اہم اور قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اگرچہ دنیا کے سنت اور صوفی مختلف ممالک میں پیدا ہوئے اور مختلف زبانیں بولتے تھے اور ان کا پیدائشی مذہب بھی ایک دوسرے سے مختلف تھا زمان و مکاں اور مذہب و زباں کا اختلاف رکھتے ہوئے بھی ان کا اظہار بیان آپس میں مشابہ ہے۔ اور ان کے مشاہدے ایک سے ہیں۔ اس لحاظ سے ماننا پڑتا ہے کہ ان کے نظریوں کی تہ میں ضرور کچھ نہ کچھ حقیقت ہے جو محض توہمات کی اُلجھن کا نتیجہ نہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کے طرزِ فکر نے انسانی زندگی کو بلا وجہ متاثر نہیں کیا ہے۔

ایسی ہی بزرگ ہستیوں میں لل دید کا بھی شمار ہے۔ وہ چودھویں صدی کے وسط میں پیدا ہوئیں۔ یہ صدی کئی لحاظ سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اول اس لئے کہ اس صدی میں کشمیر میں اسلام کا نمایاں طور پر ظہور ہوا۔ اور سرعت

کے ساتھ پھیلنے لگا۔ اگرچہ کچھ عرصہ کے لئے سنسکرت بدستور سرکاری زبان رہی لیکن اہلِ اسلام کی آمد پر اس کے ساتھ ساتھ فارسی کا بھی چرچا ہونے لگا اور روز بروز اس کی ترویج و اشاعت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانے میں سنسکرت کی وقعت کم ہوتی گئی۔ اور اس وجہ سے کہ فارسی ابھی تک بالکل عام نہیں ہوئی تھی، کشمیری زبان اظہارِ خیالات کا ذریعہ بننے لگی۔ رفتہ رفتہ اس زبان کے ادب کا آغاز ہوا۔ اسی ادب کے علمبرداروں کی صفِ اول میں لل دید کا نام نامی سرِفہرست نظر آتا ہے۔ انہوں نے دنیاوی مسائل، رموزِ تصوف و عرفاں اور فضائے روحانیت میں پرواز کرنے کی اُمنگوں کا اظہار اسی زبان میں کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی صدی میں عام اور روحانیت سے متعلق روایات میں نئے مواد کا بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اشاعتِ اسلام کی تیز رفتاری کے ساتھ ساتھ پرانی روائیتیں بھی جاری تھیں۔ صدیوں پہلے کشمیر بودھمت کا ایک مشہور علمی و عملی مرکز رہ چکا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد جب بودھ دھرم کا زور گھٹ گیا۔ اور ہندوستان میں ویدانت کو اقتدار حاصل ہوا، تو نویں صدی کے ابتدائی دور میں یہاں ایک نئے فکر و نظر کا فلسفہ وجود میں آیا، جو "ترِکا" یا "شیوہ سدھانت" کے نام سے مشہور ہوا۔ کشمیر میں اسلامی سلطنت قائم ہونے کے بعد جب اسلامی علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا دور دورہ ہوا۔ بودھ دھرم اور شیوہ سدھانت کی یہ روائیتیں ابھی زندہ تھیں۔ اس طرح مسلمان صوفیوں اور ان سنتوں کی روایات اور طرزِ عمل میں باہمی ربط کا پیدا ہونا ضروری ہوا۔ اس امتزاج کا اثر ان صوفیوں پر پڑا جو یہاں کی سرزمین سے اُٹھے، اور جن کو

"رشی" یا "بابا" کہتے ہیں۔ داؤد مشکاتی نے اپنی تصنیف "اسرار الابرار" میں (جس کا ایک نسخہ مقامی گورنمنٹ ریسرچ ڈیپارٹمنٹ میں موجود ہے) اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ اس بات کا ذکر "آئین اکبری" اور سر والٹر لارنس کی کتاب "وادیٔ کشمیر" میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلے میں سر رچارڈ ٹمپل اپنی کتاب "لل واکھ" میں لکھتے ہیں۔

" اگرچہ لل ہندو تھی اور شیومت کی مقلد اور اس کا رجحانِ خیالات صاف طور پر اس کے اپنے ہی عقائد کا آئینہ دار تھا پھر بھی اس میں صوفیوں کی تعلیم کو بہت دخل رہا ہے جو قریب قریب ہندوؤں کے اُپنشدوں کا نظریہ ہے"۔

موجودہ زمانے میں ان رشیوں اور بابا صوفیوں کا شیرازہ برقرار نہیں رہا ہے۔ مگر اس امتزاج علم و عمل کی مثالیں اب بھی گرد و نواح کے علاقوں اور دیہات میں پائی جاتی ہیں اور اس کا اثر ہمارے صوفی شعرا کے کلام میں اب تک موجود ہے چنانچہ صمد میر (جو نمبل ہار تحصیل بڈگام کے رہنے والے تھے اور ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۵۹ کو راہیٔ ملک بقا ہوئے) کہتے ہیں :-

دوٗن صمد میرن شاسترٕ ہیو   پرٕو اوم سٕو پرٕو اوم سٕو

یعنی صمد میر نے شاستروں کی طرز ادا اختیار کی ہے۔ اوم سو اوم سو جپتے رہو۔

ہندو اور مسلمان صوفی شعراء نے لل دید کی تعریف میں جو کچھ کہا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی انہی کے جذبات و خیالات کی ترجمانی

کرتی ہیں اور یہ کہ درحقیقت سب اپنے اپنے انداز میں ایک ہی قسم کی تعلیم کے پیرو کار ہیں۔

مشہور عارف شمس فقیر جو ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے اور جن کا کلام اہلِ حال آجتک مزے لے لے کر پڑھتے ہیں لل دید کی نسبت فرماتے ہیں:۔

" کوز للہ یکوٹھ آکاش پرانس (زان پلہ ناو بھگوانس ہیتی)...
ڈھلہ گیہ للہ ہیز شراہ یارس ترانس پلہ تمہ کوز رگہ ٹیکہ تار ترنس ...
وہ پدیش کرنہ گیہ ننُدہ ریشانس رندو دوپہس عین عرفان ...
ژھیپہ ژھیپرس رگندن شاہ ہمدانس (زان ملہ ناو بھگوانس ہیتی) "

ترجمہ :۔ " لل نے پران اور آکاش (ایشر) کو ایک کردیا۔ وہ بظاہر شراہ یار پر نہانے گئی مگر در اصل نہ صرف وہ دریائے جہلم کے پار ہوگئی بلکہ تیزی سے اس نے تمام کائنات کو عبور کیا۔ وہ نُندرشی (شیخ نور الدین نورانی رح) کو اُپدیش دینے گئی۔ اور رندوں نے اس اپدیش کو عینِ عرفان تسلیم کیا۔ لل نے شاہ ہمدان رح کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلی "۔

دوسرے مشہور عارف پنڈت پرمانند کہتے ہیں:۔

" للیشوری یی یوگ ابھس داران وہ ادھشانت ہنڈل ہنز گنی زُنجہ
اناہتہ نادہ بند اوم پرزہ ناوان رو پنز ہشہ ریو کلایہ ونیگا دان
شو ڈشہ سہزہ کلا آمرتنی پورنماسی تام ہیقہ جھس پیوان "

(ترجمہ) للیشوری نے یوگ کی مشق کرتے کرتے برہمانڈ (کاسۂ سر) کے بلند ترین مرکز پہ تن تنہا جگہ حاصل کی۔ اس نے حسنِ ارادت سے نقطۂ آواز (شبد کے

مقام)، پرُ اوم، کی حقیقت پہچان لی۔ اس نے چندرمہ کی پندرہ جیو کلائیں پگھلا دیں جتے اکہ' پرم شو' (ذاتِ افضل) کی سولھویں کلا تابناک ہوکر نمودار ہوئی یعنی پورے طور پر مشاہدۂ حقیقت سے ہم آغوش ہوگئی۔"

للّ دید کی زندگی کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ لہذا ان کی نسبت وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ صرف چند روایتیں مشہور ہیں جو بار بار سُننے میں آئی ہیں اور قلمبند بھی ہوچکی ہیں۔ وہ ایک کشمیری پنڈت گھرانے میں سرینگر سے چھ میل دور جنوب و مشرق کی طرف سیمپور کے گاؤں میں پیدا ہوئیں اور وہاں سے دو میل کے فاصلے پر واقع مشہور قصبہ' پانپور میں بیاہی گئیں۔ سسرال میں ان کا نام پدماوتی رکھا گیا۔ ان کی ساس ان کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کرتی۔ ان پر طرح طرح کے الزام عاید کرتی، اور انہیں بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتی۔ ان کے خلاف ان کے شوہر کے کان بھرتی اور بدظن کرتی۔ انہیں پیٹ بھر کر کھانا نہ دیتی، اس پر بھی للّ دید کے منہ سے کبھی اُف تک نہ نکلتی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ان کے ہاں کسی تقریب کے سلسلے میں دعوت ہوئی تھی۔ للّ دید دریا کے گھاٹ پر گئی تھیں۔ وہاں چند سہیلیوں سے ملاقات ہوئی انہوں نے مذاق کے طور پر ان سے کہا۔ آج آپ نے خوب ضیافت اُڑائی ہوگی۔ للّ دید نے جواب دیا کہ " ہونڈ مارِتن یا کَونڈللہ ہِلہ وَٹھ ژلہ نہ ناہہ۔" یعنی "خواہ وہ بھیڑ کو ذبح کریں یا مچھلی پکائیں۔ للّ کا حصہ سوائے پتھر کے کچھ نہیں" اتفاق سے للّ دید کے سسر اس وقت کہیں پاس ہی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ گھر جاکر تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ جو کچھ للّ دید نے کہا تھا سچ تھا۔ حقیقت یہ تھی

کہ ان کی ساس تھالی میں کھانا پروستے وقت ہر روز پکے ہوئے چاولوں کے چند
دانوں کے نیچے ایک پتھر رکھ دیتی تھی تاکہ تھالی بھری ہوئی معلوم ہو۔ اس سے
پہلے لل دید نے کبھی اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا۔ وہ ہنسی خوشی تمام سختیاں
اور تکلیفیں برداشت کرتی رہیں۔

اس زمانے کے دستور کے مطابق لل دید نے کمسنی ہی میں اپنے خاندانی گرو
سدھ بابو سے اُپدیش لیا۔ وہ اکثر اوقات گھر سے نکل کر کہیں دور نکل جاتیں اور
تنہائی میں یوگ کی مشقِ عمل میں محو رہتیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں ریاض میں وہ کمال
حاصل کیا کہ اپنے گرو سے بہت آگے نکل گئیں۔ اس سلسلے میں ان کے متعلق آج
تک بہت سی روائیتیں مشہور ہیں۔ سسرال میں کچھ وقت گزارنے کے بعد آخرکار
ایک دن گھر بار کو خیرباد کہا۔ اور ایک مست قلندر کی طرح نیم برہنہ حالت میں
جا بجا گھومنے لگیں۔ خود فرماتی ہیں :-

"گُورَن وۄننم کُنے وَژُن — نیبرٕ دۄپنم اَندرٕ اَژُن
سُے گَو لَلہِ میٚہ واکھ تہٕ وَژُن — تَوَے میہ ہیوٚتُم نَنگَے نَژُن" (۱۴)

(ترجمہ :-) مُرشد نے مجھے فقط ایک بات کہی۔ باہر کا (یعنی ظاہری) عالم
چھوڑ کر تو اندرونی عالم (یعنی نہاں خانۂ دل) میں چلی جا۔ اے لل! اسی بات
کو میں ہدایت سمجھی اور ارشاد — (اور) اسی وجہ سے میں ننگی ناچنے لگی۔"

اب وہ لل دید کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے
کہ ان کے پیٹ کا نچلا حصہ (جسے کشمیری زبان میں لل کہتے ہیں) بڑھ گیا تھا اور
جائے ستر پر پردے کا کام دیتا تھا۔ روایت ہے کہ اسی دوران میں ان کی ملاقات

پہلی دفعہ حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی رح (شاہِ ہمدان) کے ساتھ ہوئی کہتے ہیں ان سے دوچار ہوتے ہی وہ پاس ہی ایک نانبائی کے تندور میں جا چھُپیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہاں سے زرق برق لباس میں پھر نمودار ہوئیں۔ جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا۔ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ ایک مرد (یعنی مردِ خدا) کو دیکھ لیا۔ حضرت امیر کبیر سنہ ۸۰-۱۳۷۹ سے سنہ ۸۶-۱۳۸۵ تک کشمیر میں مقیم رہے۔ کہتے ہیں اس عرصے میں لل دیدّ کی اُن سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ لل دیدّ شیخ نورالدین ولی سے بھی (جو چرار شریف میں قیام کرتے تھے) کئی دفعہ ملیں اور انہیں اپنے روحانی کمال اور وجدانی نظر و فکر سے متاثر کیا۔ خاصی لمبی عمر پاکر بجبہاڑہ کے گاؤں میں جامع مسجد سے باہر انتقال کر گئیں۔

لل دیدّ سے کشف و کرامات بھی منسوب کی جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھیں بلکہ ان کو بنظرِ حقارت دیکھتی تھیں۔ ان کے نزدیک یہ عمل بالکل شعبدہ بازی ہے۔ فرماتی ہیں:-

"زل تھَموُن ہینتھ واہ تیرہ ناوُن   وُولاڈواہ گمنَ پیرو ژَر بھتھ
کاٹھہِ دبنہِ دۄد شرماوُن   اَنتہِ سکہ ل کیٹہ ژَر بھتھ"

(ترجمہ:-) بہتی ندی کو روک لینا۔ شعلہ زن آگ کو بجھا دینا۔ آسمان پر چلنا۔ کاٹھ کی گائے سے دودھ لینا۔ یہ سب مکر و فریب کی چالیں ہیں!

لل دیدّ بلاشبہ ایک شیو یوگنی تھیں۔ وہ شیو فلسفہ کی ترجمان یعنی "ترِکا" فلسفہ کے رموز و نکات اور 'تانترک' عمل سے بخوبی واقف تھیں، جیسا کہ خود

ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ جسمیں وہ باربار 'پران'[1] 'اپان' 'نادبند' 'کنڈلنی' 'یوگ' 'کلاؤں' اور 'برہمہ رندھ' وغیرہ کا ذکر کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک 'پرم شو' 'اکل' ہے مگر شکتی جو 'کل' یعنی 'تتوؤں' کی دنیا ہے شو ہی کا دوسرا روپ یا پہلو ہے۔ مایا محض ایک موہوم تصور نہیں بلکہ شکتی ہے۔ کائنات ممکن الوجود ہے اور عامل کے لئے ذریعہ عمل وکشائش ہے یا بالفاظ دیگر وہ جوہری قالب (برہمانڈ) ہے جس میں برہما کے انڈے پائے جاتے ہیں لیکن جو دراصل شو شکتی تتو کا دوسرا پہلو ہے۔ انگریزی میں اس مفہوم کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں ادا کیا جا سکتا ہے:-

"Maya is a Shakti, not an illusion; and the creation is a Becoming, the Experience of the Experiencer, an unfoldment, an out-volution or, varying the metaphor again, a derivative of Mula-Prakriti, the Matrix in which the "eggs of Brahma (Brahmanda) are laid but which in truth is Herself the other aspect of Shiva-Shakti-Tattva —— "ardhapallavita-Shankararūpamudrā"."

---

[1] 'پران' 'اپان' 'نادبند' وغیرہ الفاظ کی تشریح متعلقہ اشعار کے ترجمے کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

ان کے حالاتِ زندگی سے قطع نظر جو بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے یہ ہے کہ انہوں نے اہل کشمیر خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، امیر ہوں یا غریب، خواندہ ہوں یا ناخواندہ اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ان کے کلام کا اثر سب پر گہرا اور دیرپا رہا ہے وہ کشمیر کی مقبول ترین صوفی شاعرہ ہیں۔ لیکن ان کی ہر دلعزیزی کا باعث فلسفے کے دقیق حقائق کا بیان یا حبسِ نفس کا عمل یا گنڈلنی اور 'نادبند' یوگ کا غور و فکر ہی نہیں۔ وہ صرف اسلئے قابل عزت و احترام نہیں سمجھی جاتیں کہ وہ شیو فلسفہ کی ترجمان ہیں۔ ان کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا باعث ان کی شدید عقیدت، عملی تجربہ، صدق و خلوص، بصیرت افروزی اور روحانیت سے متعلق رموز و نکات ہیں جن کو وہ شاعرانہ اندازِ بیاں کے ساتھ بامحاورہ اور عام فہم زبان میں ادا کرتی ہیں۔ زبان کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بعض اشعار موجودہ بول چال میں بھی مروّج ہیں۔ ان واکھوں کی زبان اور آج کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ واکھ ہم تک سینہ بسینہ آئے ہیں۔ اور ان کی زبان بدلتی رہی ہے۔ البتہ اس میں بعض ایسے الفاظ ضرور نظر آتے ہیں جو اب یا تو مر چکے ہیں یا متروک ہیں۔ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ انہوں نے قافیہ و ردیف کی بندش کی بدولت لوگوں کے ذہن میں گھر کر لیا ہے اور آج تک برابر مستعمل ہیں۔ کلام میں استعاروں اور کنایوں کی جو ندرت اور تخیل میں وسعت پائی جاتی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ انہی خصوصیات نے ان کی شاعری کو کشمیر کے ادب عالیہ میں ایک لافانی اور جاودانی مقام عطا کیا ہے استعارات کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:-

(ا) آمہ پنہ سوٗد رٔس ناوٕ چھس لمان (ع ۱) ترجمہ:- "میں کچے دھاگے کی مدد سے سمندر
میں ناؤ کو کھینچتی ہوں۔"

(ب) نابدی بارس اٹہٕ گنڈ ڈیٖول گوم (ع ۳) " "نبات کے بوجھ کی رسی کی گانٹھ
ڈھیلی ہو گئی۔"

(ج) گیان مارگ چھے ہاکہٕ واڑ (ع ۱۷) " "گیان کا راستہ ایک ساگ زار ہے"

(د) لولکہ نارہٕ واٚلینج بُزنم (ع ۸۳) " "میں نے آتشِ عشق میں اپنے دل کو جلایا"

(ہ) لل بہٕ دٔراس کپسہٕ پوشچہ سٕتری (ع ۵۱) "میں (لل) کپاس کے پھول کی طرح کھلنے کی
امید میں (دور) جا نکلی۔"

للّ دید کا کلام مستی و سرشاری کے جذبات میں ڈوبا ہوا ہے اور اس میں تصوّف اور معرفت کے رموز و اسرار کا وہ خزانہ موجود ہے جو سنتوں اور صوفیائے کرام کے ریاض و عمل کے حسین امتزاج پر مشتمل ہے اور جو انکی باہمی مطابقت اور مماثلت کا آئینہ دار ہے۔

یہ مجموعۂ کلام بصیرت، جذباتِ عشقِ حقیقی، اور خلوص و صدق کا ایک ایسا مرقع پیش کرتا ہے جس میں حقیقت کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ بلند پایہ سنتوں اور صوفیوں کے کلام میں یقیناً یہی اوصاف پائے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ ایک فرد بیک وقت کئی عالموں میں رہتا ہے۔ جن کو مجموعی طور پر دو عالموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک خارجی دنیا ہے جس میں عالمِ جمادات، نباتات، حیوانات اور وہ تمام قوانینِ قدرت شامل ہیں جو فرد کے جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دوسری داخلی دنیا ہے جو فرد کے تصورات اور احساسات کی حامل ہے۔ اور جس کی تشکیل اس کے علم، مشاہدات، تجربات، جذبات اور ان تمام رشتوں سے ہوتی ہے جو وہ اپنے ماحول، دوسرے افراد اور سماج سے جوڑ دیتا ہے

کئی لوگ ایسے واقع ہوئے ہیں جو ان تعلقات کا کھوج لگانا چاہتے ہیں

اور جو دنیا ہم نے اپنے تعلقات سے برپا کی ہوتی ہے اور جس کا وجود دراصل

ایک لسانی یا علاماتی دنیا سے زیادہ نہیں وہ اس سے گذر کر حقیقت سے

دوچار ہونے کے متمنی ہوتے ہیں۔ اس تلاش میں وہ دنیا کی بہت سی قدروں

کو ترک کر دیتے ہیں۔ ہم اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ ایک چیز اور اس کی

علامت یعنی اس کے نام یا تصوّر اور کیفیت میں بہت فرق ہے۔ کسی چیز کا

نام یا تصوّر اس کی حقیقت کا مترادف نہیں۔ مثلاً بھوک کا لفظ یا اس کا تصوّر

خود بھوک نہیں یا غذا کا تصوّر غذا نہیں۔ اسی طرح لفظ خدا یا اس کا تصوّر

خدا نہیں۔ لہذا محض خدا خدا کرنے سے اس کی حقیقت پہچانی نہیں جاتی۔ حقیقت

کا جو بھی ہم [illegible] تصوّر کرتے ہیں وہ ہمارے اپنے ہی تخیّل کی پیداوار ہے۔ اور

اسی کی ایک الجھن۔ لل دید فرماتی ہیں :۔

رِشو رِشو کران رِشو نو توشے

یعنی رِشو رِشو جپنے سے رِشو (اللہ) خوش نہیں ہوتا۔

حقیقت شناس ہستیوں کا قول ہے کہ حقیقت ڈھونڈھنے کی چیز نہیں

اور نہ ہی کہنے سُننے کی بلکہ یہ دیکھنے کی چیز ہے۔ اس سلسلے میں للؔ دید کہتی ہیں

" لل بوہ لوسُس ژھاران تہ گاران ہل میۓ کورمس رسہِ نِشہ تہ

وُچھُن ہیوتمس تاری ڈیٹھمس بَرن میۓ تہ کل گینیہِ تہ زوگمس تتی " (۴۲)

ترجمہ :۔ " میں (لل) اسکی تلاش کرتے کرتے تھک گئی۔ میں نے اپنی تمامتر

طاقت بلکہ اس سے بھی بڑھکر کوشش کی۔ میں نے اسے (شوق سے) دیکھنا شروع

کیا مگر دروازہ بند پایا۔ میری چاہ اور بھی بڑھ گئی۔ اور میں اس کی تاک میں وہیں بیٹھی رہی"۔

ایک اور جگہ فرماتی ہیں :۔

ژھانڈان لوسُس پانٕ پانَس ژھینِتھ گیانَس وُتُم ناکو ژھ
لےَ کرُمَس تہٕ واٚتس الیتھانس" (ع۳۷)

ترجمہ :۔ میں آپ اپنی تلاش کرتے کرتے تھک گئی مگر کیا اس تلاش سے کوئی گیان کا رازِ سربستہ پا سکتا ہے ؟ جب میں نے اس کو اپنا بنالیا تو میں اس میکدے (یعنی سرچشمۂ حقیقت) میں جا پہنچی"۔

للّ دید کے دل میں حقیقتِ ذات سے ہم آغوش ہونے کی بیحد لگن اور انتہائی جذبۂ شوق پایا جاتا ہے۔ کہتی ہیں۔

" آمہِ پنہٕ سُوٚدرَس ناوِ چھس لمان کتہٕ بوزِ دَے میون میٚہ تہٕ دِیہ تار
آمین ٹاکین پوٚنی زَن شمان زُو چھُم برمان گرہٕ گژھہ ہا" (ع۱)

ترجمہ :۔ " میں (گویا) کچے دھاگے کی مدد سے ناو کو سمندر میں کھیتی جاتی ہوں۔ کاش میرا مالک میری آواز سُن لے اور مجھے پار اُتار دے۔ میرا حال مٹی کے اُس کچے برتن کا سا ہے جس میں پانی جذب ہو کر ضائع ہو جاتا ہے۔ میری روح اپنے اصلی مقام کو لوٹنے کی آرزومند ہے"۔

اس حقیقی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے کیا وسائل ہیں۔ اس بارے میں وہ یوں سوال کرتی ہیں ؎

"گژھہ کمہِ دِشہِ کوٚت زانہٕ وتھ" (ع۱۰)

ترجمہ:۔ "کس طرف سے جاؤں اور (صحیح) راستہ کیسے پہچانوں؟"

غرض یہ رنگ و بو کی دنیا، یہ نام اور روپ کا عالم جو ہمارے ہی من نے تعلقات کی بناء پر قایم کرکے ماضی کی یاد یا مستقبل کی خواہش کی صورت میں لا کھڑا کیا ہے اور جس نے حقیقت پر کچھ ایسا پردہ ڈال رکھا ہے کہ اٹھائے نہ بنے ہماری راہ میں حایل ہے۔ یہ پردہ ہٹ جائے تو حقیقت کا مشاہدہ ہو سکتا ہے یا یوں سمجھئے کہ اس تعلقاتی دنیا کے برپا کرنے والے یعنی 'من' کا پردہ اٹھ جائے تو انسان حقیقت سے آشنا ہو سکتا ہے۔ لل دید کہتی ہیں کہ پوجا پاٹ کرنے، پھول چڑھانے، جانوروں کی قربانی دینے یا ایسے ہی بتائے ہوئے طریقوں یا مذہبی رسموں کی پیروی کرنے سے حقیقت سے شناسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ ان مذہبی رسموں کو ریت کی رسی قرار دیتی ہیں۔ چنانچہ فرماتی ہیں:۔

(ا) "گُش پوشش تیل دیچھ نا گژھے" (ع۴۳)

ترجمہ:۔ "گشا گھاس۔ پھول تل اور دھوپ نہیں چاہیئے۔"

(ب) "اڈنین وُٹس سُرنہ ہتن کھٹھ دُین آہار" (ع۱۴)

ترجمہ:۔ "جاندار بھیڑ کو بیجان پتھر کے آگے قربان کرنا!"

(ج) "ہا منشہ کیازہ چھکھ دُہٹان سیکہِ لَوَر" (ع۱۶)

ترجمہ:۔ "اے انسان! تو ریت کی رسی کیوں بٹ رہا ہے۔"

انسان ان محدود وسائل سے حقیقت حاصل نہیں کر سکتا نہ اُسے خوشامد سے اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے اور نہ ہی آہ و زاری سے اس پر دسترس

پاسکتا ہے۔ وہ کہیں دُور نہیں۔ کہیں سے بُلا کر لانے کی چیز نہیں۔ وہ ہر جگہ ہر حال میں موجود ہے۔ نحن اقرب ہے۔ وہ کہتی ہیں:۔

(الف) "وُچھُم پنڈت پننہ گرے" (ع ۳۶)

ترجمہ:۔ "میں نے پنڈت کو اپنے ہی گھر میں دیکھا"

(ب) "نِشہِ چھُے تے دُور موگارُن" (ع ۴۳)

ترجمہ:۔ "وہ تیرے قریب ہے۔ اُسے دُور نہ ڈھونڈ"

(ج) "نِشہِ چھُے تے پرزانتن"

ترجمہ:۔ "وہ تیرے پاس ہے، اُسے پہچان لے"

حقیقت کو پانے کے لئے تپسیا یا ریاضی کی ضرورت نہیں نہ یہ محض خواہش سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی دھیان میں اس طرح بھی سما جائے جس طرح نمک پانی میں، پھر بھی اس کے لئے حقیقت کا پہچاننا مشکل ہے۔ فرماتی ہیں:۔

"سہزس شَم نہ دَم نہ گژھے   یژھہ نہ پراوکھ مُکتی دوار
سِلِلَس لوَن زَن میلتہ گژھے   توتہِ چھُے دُرلبھ سہزہ وِژار" (ع ۳۸)

ترجمہ:۔ "وجودِ حقیقت کی معرفت کے لئے ضبط و سکون کی ضرورت نہیں نہ محض آرزومندی سے نجات کے در تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے چاہے انسان دھیان میں اس طرح محو ہی کیوں نہ ہو جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے پھر بھی ذاتِ حق کا تشخص دشوار ہے۔"

البتہ جن باتوں سے 'من' یا 'انا' کو تقویت ملتی ہے یا بالفاظ

ویگر جو انسان کو فریب دیتی ہیں۔ یعنی شہوت، غصہ، حرص، اور غرور یہ سب رہزن ہیں اور انسان کو دن دھاڑے لوٹتے رہتے ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو بچانا فائدہ مند ہے۔ کہتی ہیں۔

(الف) " مارُکھ مارہ بُوتھ کام ۔ کرُود ریہ لُوب " (ع۱۷)

ترجمہ :۔ " شہوت، غصہ اور حرص، یہ تینوں قاتل ہیں۔ انہیں مار ڈال۔"

(ب) یمہ لُوب منمتھ مرُ ژُدر مورُن ۔ وتہ ناشہ ماریتھ تہ لوگُن دس
نمی سہز ایشور گورُن ۔" (ع۷۰)

ترجمہ :۔ " جس نے حرص، ہوائے نفسانی اور غرور یعنی ان رہزنوں کو مار ڈالا اور اپنے آپ کو سب کا خدمتگزار قرار دیا۔ اُسی نے ایشور کی سچی تلاش کی۔"

لیکن یہ عمل کچھ آسان نہیں۔ فرماتی ہیں :۔

" پرُن سہل پالُن دشوار   سہز گارُن سِکھم تہ کرُوٹھ " (ع۵۲)

ترجمہ :۔ " پڑھنا آسان ہے لیکن عمل کرنا مُشکل۔ ذات (آتما) کی تلاش دقیق اور کٹھن ہے۔"

انسان تخیلات سے چھٹکارا حاصل کرے اور اپنی اصلیت میں مستغرق رہے تو یہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ اس پر وہ فرماتی ہیں :۔

(ج) " لُوب مارُن سہز وِچارُن   ڈرُوگ زانُن۔ کلپن تراو " (ع۴۳)

ترجمہ :۔ " خواہشات کا خاتمہ کر اور وجودِ حقیقی کے تصور میں ڈوب جا۔

اُسے بے بہا سمجھ۔ تصورات باطل سے باز رہ۔"

(ب) "لُلی لُلی کران لالہ وُزنو دوُم" (۸۲)

ترجمہ:۔ "لل ہوں میں۔ ہاں لل ہوں میں۔ یہ آواز دیتے ہوئے میں نے محبوب کو جگا دیا۔"

(ج) "سعہ دریتڑ ارہ۔ یمہ نہی ہرس پوزہ لاگہ"

ترجمہ:۔ اپنی آتما کے دھیان رُوپی جل سے ہی ہری یعنی شو کو جل چڑھا دے۔ یہی ریاضت ہے اور تپسیا۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ اور کسی کشمکس کی نہیں۔

(د) "مینۂ ته کل گنیئیہ تہ زو گمس تتھ" (۴۴)

ترجمہ:۔ "میری چاہ بڑھ گئی اور میں اس کی تاک میں وہیں بیٹھ گئی۔"

(ب) تیلہ لل ناو دراام یلیہ ڈلہ تراؤی مس تتی" (۳۵)

ترجمہ:۔ "جب میں دامن پھیلائے (یعنی دھیان میں) وہیں بیٹھی رہی، میں لل کے نام سے مشہور ہوئی۔"

(ج) "مہنیہ، مالہ سنتوش، واتی پانئے۔" (۴۵)

ترجمہ:۔ "صبر و تحمل سے کام لے۔ وہ خود مل جائے گا۔"

ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا ضروری نہیں کہ انسان دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرے اور دُور جا کر کسی جنگل میں رہے۔ دیکھئے اس بارے میں ان کا کیا خیال ہے:۔

"کندیو گیہ نتری کندیو ونواس — وہ پھل من نا رٹھتھ تہ واس
دین رات گنزتھ پُن شواس — بیٹھے چھک تہ تتھے آس" (۔)

ترجمہ :۔ "کوئی گھربار چھوڑ دے یا صحرا نشینی سے منہ موڑ دے۔ جبتک

من چنچل رہیگا، صبر و سکون ممکن نہیں۔ رات دن نفس کا ادراک کرتے رہ۔ پھر

جہاں جی چاہے قیام کر۔"

لل دید عالم ظاہری یا مادی دنیا کو ہیچ ماننے کی قایل نہیں۔ ہر فرد بشر کو

خواہی نہ خواہی اس دنیا کے ساتھ کم و بیش متعلق ہونا پڑتا ہے۔ اس پہ سردی

و گرمی کا اثر ہوتا ہے۔ اسے کھانے پینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور وہ دیگر

ضروریات زندگی سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ کہتی ہیں :۔

"یوٗ ہٕنیر ژٔلی تم امبر ہیٚتا کھیٚو دیٚۂ گٔی تم آہار آن" (ع۶)

ترجمہ :۔ کپڑے پہنو تو صرف اس لئے کہ سردی نہ لگے۔ غذا کھاؤ تو صرف

اس لئے کہ بھوک مٹ جائے۔"

وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ خواہشات کو پورا کرنے سے من کو شانتی نہیں ملتی:۔

"کھینیہٕ گنڈھہٕ شمہٕ نا مانس" (ع۶۵)

ترجمہ :۔ کھانے پینے اور سامانِ عیش و عشرت سے من کو شانتی نہیں ملتی۔

وہ فرماتی ہیں کہ خواہشات کو دبانے سے بھی یہ شانتی نہیں ملتی :۔

"کھیٚن کھیٚن کران کُن نو وانکھ نہ کھیٚنہٕ گژھکھ اہنکاری" (ع۶۴)

ترجمہ :۔ کھانے اور متواتر کھانے سے تجھ کو کچھ حاصل نہ ہوگا اور نہ

کھانے سے تجھ میں غرور پیدا ہوگا۔"

بحیثیت ایک فرد کے انسان کو لازمی طور سماج میں دوسرے افراد

کے ساتھ تعلقات قایم رکھنا پڑتے ہیں۔ ان کے ساتھ مل جل کر رہنا واجب

ہے جو کچھ بُرا بھلا وہ کہیں۔ گالی دیں۔ غصہ کریں یا پرستش اور خوشامد کریں

غرض جو کچھ وہ کہیں یا کریں، اس سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔

"گال گنڈِنَم بول پڈِنَم ڈیشِہ مَن تی لیس یہ رُوٗتْھ مے
سہزِہ کُسُمو پوٗز کرِنَم بو امہٕ سلانہ تہ کس کیا موٗتھ مے" (۵۵)

ترجمہ:۔ "وہ مجھے بُرا بھلا کہیں یا بدنام کریں، جس کا جی جو چاہے میری نسبت کہے اگر وہ سچے دل سے میری پرستش بھی کرے۔ پھر بھی ان باتوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، پس اس سے اس کو کیا حاصل ہوگا۔"

لل دید فرماتی ہیں کہ اگر انسان حقیقت سے ہم آغوش ہو کر من کو کسی اور چیز سے وابستہ نہ رکھے تو شب و روز دنیاوی کاروبار میں مصروف رہنے کے باوجود بہرحال اس کا بھلا ہوگا۔

"شوٗشِہ کران ہمہٕ گتھ سو رَتھ دُوٗرِتھ دیٚوہ تہٕ رٲژ دیٚن رٲچھ راتھ
لاگہٕ روٗس آدہ ہے بَس من کرِتھ تَس بَنِتھ تہٕ ژھن سُرہٕ گُرہٕ ناتھ" (۵۶)

ترجمہ:۔ "شوٗشِہ پکارتے ہوئے جو ہنس کی چال کا دھیان رکھے (اور رات دن (دنیاوی) کاروبار میں لگا رہے (لیکن) بے لوث ہو کر اپنے من کو دوئی سے آزاد رکھے (یعنی ذاتِ احد کے بغیر کسی کو تسلیم نہ کرے۔) اسی پر دیوتاؤں کا دیوتا مہربان رہتا ہے۔"

وہ جا بجا اپنے کلام میں من سے دوئی دُور کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔

"پرتہ یان ہیٚمہٕ سوٚم موٗن یِمہٕ ہیوٗ موٗن دیٚن کیٚہ راتھ
یِمہٕ سی من ادوہ سائپن تمی ڈیوٗٹھ سُرہٕ گُرہٕ ناتھ" (۵۷)

ترجمہ:- جس نے اپنے اور پرائے کو یکساں مانا۔ جس نے دن اور رات میں
کوئی فرق نہ سمجھا۔ جس کا دل دوئی سے آزاد ہے۔ اسی نے فقط اسی نے دیوتاؤں
کے دیوتا کو پہچانا۔"

حقیقت کو پانے کا راستہ یہی ہے۔ جب من کا پردہ ہٹ جاتا ہے تو وہ خود
بخود آشکار ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جو مشاہدہ عمل میں آتا ہے بیان سے باہر
ہے۔ اس مشاہدہ کو لل دید نادر استعاروں اور کنایوں میں بیان کرتی ہیں:-

(۱) "ابھیاسی سوِکاسی لیہ وودھو   گگنس سگُن میُول سمہ زوٗنا
شوٗنی گول تہٕ انامے موٗتو   یئے ہے وۄپدیش چھےٚ بٹا" (۳۳)

ترجمہ:- "جب یوگ کی) پیہم مشق سے پیدا ناپید ہو جاتا ہے کائنات کرۂ اثیر میں گم ہو جاتی ہے پھر
کرۂ اثیر بھی غائب ہو جاتا ہے اور صرف وجودِ حقیقی کی ذات باقی رہتی ہے۔ اے برہمن یہی سچا
اپدیش ہے۔"

"واکھ منس کول اکول ناتے   ژھوپہ مُدرہ اَتہ نا پژولیش
روزان شو شکھتہ نا اَتے   موٗتے کینہہ تہٕ سُے وۄپدیش" (۱۰۹)

ترجمہ:- "وہاں حرف زبان باقی رہتا ہے نہ من اور نہ (شو فلسفہ کے بتائے ہوئے ۳۶)
تتووں کا عمل ہے۔ وہاں شو شکتی تو بھی باقی نہیں رہتیں جو کچھ باقی رہتا ہے یہی اپدیش ہے۔"

یہی سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ خارجی دنیا جس
میں فرد پیدا ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت ایک ایسے پہنچے ہوئے سنت یا صوفی کی
نظر میں کیا ہے! کیا دنیا و دین۔ خدا و شیطان۔ دُنیا و عقبیٰ۔ فرد اور سماج
فرد اور دنیا اور اس قسم کی دوئی قائم و دائم رہتی ہے یا نہیں۔

لل دید فرماتی ہیں:- "جب میرا من آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوا تو میں
نے اُسے پہچانا۔ جب میں نے اُسے پاس ہی دیکھا تو جو کچھ بھی تھا وہی تھا اور میں
کہیں نہ تھی۔"

"مکُرس زن مل ژولم مَنس   اَدہٕ میہ لبہم زانس زان

شہ ییلہِ ڈیُوٹھُم نِشہِ پانَس   سو رُے سے تہ بو تہ کینہہ" (ع ۱۳۰)

ایک اور جگہ وہ اپنا مطلب اس طرح سمجھاتی ہیں۔ "جب جاڑا شدید ہوتا ہے تو پانی جم کر یخ بنتا ہے یا برف کی صورت اختیار کرتا ہے۔ بظاہر یہ تین مختلف چیزیں ہیں مگر غور کرو تو یہ تینوں چیزیں در اصل ایک ہیں۔ اسی طرح جب اصلیت اور حقیقت کا سورج چمکتا ہے تو جیو۔ کائنات اور حقیقت ایک بن جاتے ہیں اور یہ سب ایک ہی حقیقت کے مظاہر ہیں"۔

"ہیترہِ شِیل کھوٚت تَٔے تیترے   ہمہ ترٹہ گٔے بین، ابین وٕمرشا

ژیتنی رُو باتہِ سَب سُمے   شِوہ سے ژراژر زگ پشیا" (ع ۱۱۱)

اس حقیقت سے واقف ہو کر وہ پھر رندانہ جرأت سے پوچھتی ہیں کہ "جب تو ہی تو ہے تو پھر یہ کھیل کیسا؟"

بقول غالب ؎ جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

"ژٕ ییہ ناران، ژٕ ییہ ناران   ژوے ییہ ناران، ریم گم وہ" (ع ۱۳۱)

یہ گیان لل دید کی زندگی پر نہ صرف اثر انداز رہا بلکہ اس نے ان میں ایک انقلاب عظیم پیدا کیا، جس کا پتہ اُن کے کلام سے چل جاتا ہے۔ ع

"معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود"۔ اُن کا کلام خونِ جگر میں رنگا ہوا ہے۔ اور اسمیں وہ رموز و اسرار موجود ہیں جو کسی پہنچے ہوئے سنت یا صوفی ہی کے ہاں مل سکتے ہیں۔ ان کے من سے دوئی مٹ گئی تھی اور وہ اپنے اور پرائے میں کوئی امتیاز نہ کرتی تھیں۔ وہ محبت و آشتی کا سرچشمہ تھیں:۔

"ناتھ ! نا پان نا پَرٕ زونم" (ع ۵۷)

ان کے دل سے ساری خواہشیں خود بخود مٹ گئی تھیں۔ وہ کھانے پینے میں اعتدال پسند تھیں اور بہر صورت درمیانی راستہ اختیار کرنا ان کا شعار بن چکا تھا۔

(ا) سوٗمے آہار سیتھاہ زونم لوٗبن گوٗگن برٛام نہ پرے (ع ۶۳)

ترجمہ:۔ "میں نے اعتدال سے کھانا پینا کافی سمجھا (اور) خواہشاتِ نفسانی کی طرف مائل نہ ہوئی۔"

(ب) سوٗمُے کھیہ بالہ سوٗمُے آسکھ سوٗمُے کھیینہ مُژرنے برٛنین تارٕی (ع ۶۴)

ترجمہ:۔ "اعتدال پسند بن اور کھانے پینے میں اعتدال اختیار کر۔ ایسا کرنے سے تیرے لئے دروازے کھول دئے جائیں گے۔"

وہ کہتی ہیں کہ مذہبی کتب میں موت کی جو تصویر کھینچی گئی ہے نہایت ڈراونی ہے:۔ "شاستر بوزتھ چھُ بیمہ بَیہِ کرٛوٗٹھ" (ع ۶۵)

ترجمہ:۔ شاستروں کو پڑھ سُن کر موت بہت ڈراونی معلوم ہوتی ہے۔"

ان کے دل سے اب سب ڈر دور ہو چکا تھا، کیونکہ اسمیں جھوٹی آشائیں باقی نہیں رہی تھیں۔ اب تو وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی گویا مر چکی تھیں۔ کہتی ہیں:۔

(ا) "براتھہ یمو تراوٕ تمے گے کھَستھ" (ع ۶۵)

ترجمہ:۔ جنہوں نے جھوٹی آشائیں چھوڑ دیں وہی برتر ہیں۔"

(ب) "زندہ مَرس تہ میہٕ کرہ کیا؟" (ع ۱۲۱)

ترجمہ:۔ "زندہ ہوتے ہوئے بھی میں مرگئی ہوں۔ اب ہستی میرا کیا بگاڑ دیگی؟"

(ج) مَرہ کُس تہ مارن کَس؟"

ترجمہ :- "کون مریگا ؟ کون مارا جائے گا ؟

ان کے لئے زندگی اور موت دونوں یکساں تھے۔ فرماتی ہیں :-

" مرہ نیچھ تہٕ لسہ نیچھ " (ع ۱۲۳)

ترجمہ :- مروں تو اچھا زندہ رہوں تو اچھا۔"

اب وہ ماضی اور مستقبل یعنی زمانے کی قید سے آزاد ہوئی تھیں۔ دنیا میں ہر چیز بدلتی رہتی ہے۔ ع "ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں"۔ زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ جب تک انسان کا دل خواہشات، اور احساسات کا حامل ہے وہ ماضی اور مستقبل کے چکر میں پھنسا رہتا ہے اور حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ حقیقت ان پابندیوں سے بے نیاز اور زمانے کی قید سے آزاد ہے۔ جب تک یہ جلوہ گر نہیں ہوتی، انسان تغیرِ زماں کا شکار رہتا ہے۔ اس معنی خیز حقیقت کی طرف لل دید اشارہ کرتی ہیں :-

(ا) "کلن کالہ زالی یوٚدوے ژیٖہٕ گوٚل ۔۔۔ وٚینِدو گَرہ وا وٚینِدو ونو اَس" (ع ۲۹)

ترجمہ :- جب تیری خواہشیں زمانے کے تغیر سے آزاد ہونگی یعنی جب یہ ختم ہو جائیں گی تو پھر تو گھر میں رہے یا جنگل میں ایک ہی بات ہے۔"

(ب) "ژیٖتہ نوٚوُے ژٔندرمہ نوٚوُے ۔۔۔ زلہٕ مَے ڈیوٗٹھُم نوٚمُ نوٚوُے
ییٚنہٕ پیٚٹھ للہٕ میہٕ تن من نوٚوُے ۔۔۔ تنہ لل بو نوٚمُ نوٚوُے چھَس" (ع ۱۲۴)

ترجمہ :- "چت نیا۔ چاند نیا اور یہ کائنات بھی دمبدم نئی ہی نئی ہے۔ جب سے لل نے (میں نے) اپنا تن من صاف و پاک کیا میں بھی ہر دم ایک نئی زندگی پا تی ہوں"

لل دید اب حقیقت سے ہم آغوش تھیں۔ انہیں اللہ کو کسی خاص نام سے

یاد کرنے کی ضرورت نہ تھی اسے کسی نام سے یاد کیا جا سکتا تھا خواہ وہ شِو ہو یا وِشنو
برہما ہو یا بدھ یا کچھ اور چنانچہ کہتی ہیں :۔

"شِو وا کیشو وا جن وا۔ کملزہ ناتھ نام دارِتن یُوہ" (ع۴۶)

ترجمہ :۔ "شِو ہو یا کیشو جن ہو یا بدھ یا کملیج برہما۔ کچھ بھی اس کا نام ہو"

وہ مذہب کی قیود سے آزاد ہو چکی تھیں۔ ان کی نظر میں ہندو اور مسلمان میں کوئی فرق نہ تھا۔ سب میں ایک ہی جلوہ نظر آ رہا تھا۔ اُنہیں کھانے پینے کی چیزوں میں بھی کوئی پرہیز نہ تھا۔ اب اُنہیں وہ مقام حاصل ہوا تھا کہ جو کام وہ کرتیں وہ پوجا تھا اور نماز۔ جو کچھ وہ کہتیں وہی اللہ کا نام اور جس چیز پر نظر ڈالتیں اس میں فقط جلوہ الٰہی دیکھتیں۔

(ا) "یہ یہ کرم کورُم سہ ارژن یہ رہنہ ویژ ورُم تی منتھر" (ع۱۳۴)

ترجمہ :۔ "میں نے جو بھی کام کیا وہ عبادت تھا۔ میری زبان سے جو بات نکلی وہ منتر تھی۔"

(ب) "گگن ژٔے بھوتل ژٔے ژٔے چھکھ دیَن تہ راتھ
ازگ ژندن پوش پونی ژٔے ژٔے چھکھ سورُے تہ لاگزی کیاہ" (ع۱۲۵)

ترجمہ :۔ "تو ہی آسمان ہے تو ہی زمین۔ تو ہی دن ہے ہوا ہے اور رات۔ تو ہی چڑھاوے کا اناج، چندن، پھول اور پانی۔ تو ہی سب کچھ۔ میں کیا نذر کروں۔"

(ج) "شِو چھے تھلہِ تھلہِ روزان موزان ہیونْد تہ مسلمان" (ع۱۰۵)

ترجمہ :۔ "شِو ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ ہندو اور مسلمان میں کوئی امتیاز نہ کر۔"

(د) " زانس اندر کیوٗل زونم   اَنس کھیتنس کُس چھُم دوقہ شَس " (۱۱۹ع)

ترجمہ:- " مجھے اس کے بغیر کوئی نظر نہ آیا۔ میں کھانے پینے میں کیا پرہیز کرتی "

(ہ) پانس منز تیلہ ڈیوٗٹھکھ مینہ ژٔی   میاژنہ تہ پانہ ، دیتم ژھوہ " (۱۳۲ع)

ترجمہ:- " جب میں نے تجھے اپنے آپ میں پایا۔ تو جوشِ مسرت ، میں نے تجھے اور اپنے آپ کو آشکارا کیا "

غرض لل دید کا کلام بصیرت ، عشق اور صدق و خلوص کا ایک پیش کرتا ہے جسمیں حقیقت کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ بلند پایہ صوفیوں اور سنتوں کے کلام کی خصوصیت بھی یہی ہے۔ دیکھئے مولانا روم رح کیا فرماتے ہیں :-

دیدنِ دیدہ فزاید عشق را   عشق اندر دل فزاید صدق را

صدق بیداریٔ ہر حس میشود   حسہا را ذوق مونس میشود ....

ہر حست پیغمبرِ حسہا شود   جملۂ حسہا دراں جنت رود

حسہا با حس تو گویند راز   بے زبان و بے حقیقت بے مجاز

شری اُتپلدیوجی " شوسنوتراولی " میں کہتے ہیں :-

तत्तदिन्द्रियमुखेन सन्ततं
युष्मदर्चनरसायनासवम् ।
सर्वभावचषकेषु पूरिते
ष्वापिबन्नपि भवेयमुन्मदः ॥

ترجمہ:- " کاش میں تجھ سے اپنی عقیدت کی شراب ، آبِ حیات مختلف

اندروں سے لگاتار جی بھر کر پینے کے بعد مست و سرشار ہو جاؤں جس سے تمام موجودات کے جام لبریز ہیں"۔

لل دید کے ہمعصر مورخوں مثلاً جون راج، شری ور اور پودھ بھٹ نے اپنی تاریخوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عوام کے لئے یہ پہلا موقع تھا جب رموز و حقائق تصوّف اور ان کو بروئے کار لانے سے متعلق ضبط و عمل کے طریقوں کا بیان انہیں اپنی زبان میں دستیاب ہوا۔ اگرچہ اس قسم کی تعلیم سمجھنے والوں کی تعداد اب تھوڑی رہ گئی تھی۔ کشمیری زبان میں یہ اندازِ بیان سنسکرت کے مقابلے میں (جس کو اب مقابلتاً کم لوگ سمجھ سکتے تھے) بہت مقبول ہوا۔ ظاہر ہے سنسکرت کے پنڈتوں نے اس طریق کار کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا ہوگا۔ اور اس لئے ان کے کلام کو قابل التفات نہیں سمجھا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ لل دید کوئی وِدوان پنڈت نہ تھیں بلکہ سماج کے دستور کے خلاف ایک نیم برہنہ مستانہ جوگن کی صورت اختیار کئے ہوئے تھیں۔ ان مورخوں نے انہیں درخور اعتنا نہ سمجھا ہو یا شائد اس کی وجہ یہ ہو کہ اس وقت تک لل دید کو اس قدر شہرت حاصل نہ ہوئی تھی جتنی کہ ایک دو صدیوں کے بعد جب ان کے کلام کا چرچا نزدیک و دُور ہونے لگا۔ بعد میں آنے والے موّرخوں نے کشمیر کی تاریخی کُتب میں ان کا ذکر نہایت احترام سے کیا ہے۔

خواجہ اعظم دیدہ مری اپنی تاریخ "واقعاتِ کشمیر"[1] (۱۱۴۹ھ) مطبوعہ ۱۳۰۲ء میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] صفحہ ۳۴، ۳۵۔ ناشر غلام محمد نور محمد

"عارفہ کاملہ للہ مجذوبہ ۔ ۔ ۔ راجذبۂ الٰہی روداده ودل بانقطاع و دانزوا نہاده چندے بہ سرد خفای میگذرانید وکسے ازخویش وپیوند پے بحالت باطنی آں مجذوبۂ دردمند نمے برد"

پنڈت بیربل کاچرو کی تصنیف "مجموعۂ تواریخ[2]" (۱۸۴۶ء) میں ان کا ذکر یوں آیا ہے :۔

"لل نام عفیفۂ خداپرست ۔ ۔ ۔ صاف ضمیرے از فرقۂ ہنود قدم بمنصۂ شہود گذاشتہ بود ۔ درموضع پانپور سکونت نمود"۔

پیر غلام حسن کھویہامی کی تاریخ المعروف "تاریخ حسن[3]" حصہ سوم میں لل دید کا ذکر ان الفاظ میں پایا جاتا ہے :۔

"بی بی لل عارفہ کاملہ ثانی رابعہ بود ودر شہور سنۂ ہفتصد ہجری ظہور نمودے آرند کہ عفیفہ از موضع سیمپور درخانۂ برہمنے متولد شد ۔ در صغر سن عجب سوز وگدازے داشت ۔ درقصبۂ پانپور بعقد شوہر دادند ۔ ۔ ۔ ۔ واشعار دردناک میگفت کہ آنہا بزبان ایں اند یا للہ واک میگویند ۔ ۔ ۔ ۔ درحق او ہنود میگویند کہ وے از ماست ۔ مسلماناں دلیل مے آرند کہ از ماست ۔ فی الحقیقت وے از خاصانِ خداست ۔ رحمۃ اللہ علیہا"۔

لل دید کا کلام چودھویں صدی کی کشمیری زبان کا نمونہ ہے ۔ مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ

---

[2] فولیو ۹۹ $\frac{1840}{1846}$ (نسخہ ریسرچ ڈیپارٹمنٹ سرینگر)

[3] فولیو ۲۵۰ (نسخہ ریسرچ ڈیپارٹمنٹ سرینگر)

ان چھپے ہوئے واکھوں کی زبان اسی زبان کا صحیح نمونہ ہے کیونکہ کوئی معتبر نسخہ اس زمانے کا موجود نہیں
انفرادی طور پر کئی حضرات نے ان کے "واکھ" یعنی اشعار وقتاً فوقتاً جمع کئے
معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے پنڈت بھاسکر رازدان نے ۶۴ واکھوں کا سنسکرت
میں ترجمہ کیا تھا۔ جو ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کشمیر نے چھاپا تھا۔ پروفیسر بہلر نے 'لل
واکھ' کے سنسکرت نسخوں کی تلاش سے متعلق جو رپورٹ ۱۸۷۷ء میں شایع کی
اس میں ایسے دو نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سر جارج گریرسن کی رائے میں انمیں سے
ایک بھی مکمل نہیں بلکہ ان میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ۱۹۱۴ء میں
اپنے ایک دوست مہا موپادھیائے پنڈت مکند رام شاستری سے خواہش ظاہر
کی کہ لل واکیانی کا ایک اچھا نسخہ دستیاب کیا جائے۔ پنڈت مکند رام اسکی
تلاش کے دوران میں گُش گاؤں کے ایک بوڑھے برہمن مسمی دھرم داس سے ملنے کا اتفاق
ہوا جس نے سینہ بسینہ چند بزرگوں تک پہنچے ہوئے 'لل واکھ' زبانی بھی سُن کر
حفظ کرلئے تھے اور تقدس مآب حضرات کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے
اُنہیں سُنا کر محظوظ کرتا تھا۔ پنڈت مکند رام نے ان کو قلمبند کیا اور (بعض واکھوں
کی سنسکرت اور بعض کی ہندی میں شرح لکھکر) سر جارج کے پیش کئے۔ انہوں
نے ۱۹۲۱ء میں اس مجموعہ کو جو ۱۰۹ واکھوں پر مشتمل ہے "لل واکیانی" کے نام سے
انگریزی میں مع ترجمہ و شرح کے شایع کیا۔ سر جارج کی رائے میں یہ مستند ہیں۔ اپنی
رائے قایم کرنے کی تائید میں وہ اس کتاب کی تمہید میں دلائل بھی پیش کرتے ہیں
تمہید کے علاوہ اس میں ڈاکٹر بارنٹ کا لکھا ہوا ایک مبسوط اور قابل قدر مقالہ
بھی شامل ہے۔ جس میں یوگ کے ریاض کی تفصیل درج ہے۔ گریرسن صاحب نے لل دید کی

زبان اور اسکے فنِ عروض پر بھی ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب کے علاوہ مسٹر جے ہنٹن نولس کی تصنیف "کشمیری محاورات اور ضرب الامثال" میں بھی بعض للہ واکھ درج ہیں۔

گریرسن صاحب کی کتاب شایع ہونے کے چند سال بعد سر رچارڈ ٹمپل نے انگریزی میں للہ واکھ کا منظوم ترجمہ شایع کیا۔ اسمیں انہوں نے لل دید سے تعارف کرانے کے سلسلے میں ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے۔ اس کے ایک باب میں لل دید کے عقاید سے متعلق منابع کا ذکر ہے اور دوسرے میں ان کے نظریہ و عمل کے ساتھ ساتھ تصوف، بودھ دھرم تانترک مت اور شومت سے بحث کی گئی ہے۔ جس میں ان کے باہمی اثرات کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ دکھایا گیا ہے کہ لل دید کے کلام میں اس امتزاج کا اثر کس حد تک کارفرما ہے۔

پنڈت آنند کول بامزئی مرحوم نے تحقیقات کرکے مزید ایسے ۵۰ "واکھ" جمع کئے جو ان مطبوعہ مجموعوں میں شامل نہیں اور جن کو انہوں نے ایک چھوٹی سی کتاب کی صورت میں شایع [illegible] انگریزی ترجمہ کے ساتھ چھپوایا۔ اس کے علاوہ پنڈت سروانند چراغی اور اس کے بعد پنڈت اے۔ کے۔ واچو نے ومین ویلفیر ٹرسٹ کے سلسلہ مطبوعات کی اشاعت میں للہ واکھ، ترجمہ کے ساتھ شایع کرائے۔

موجودہ مجموعہ ان مختلف شایع شدہ مجموعوں سے حسبِ ضرورت انتخاب کرکے ترتیب دیا گیا ہے۔ عجب نہیں کہ اسمیں بھی چند ایسے واکھ شامل ہوں جو در اصل لل دید کے کلام کا جزو نہیں مگر اُن سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ مثلاً

"دِلہ کِس باغس دور کر گاٗصل اَدہ دیُوہ پھولِ بنیہِ زٕل بارغ
مرنہ پتہ منگہ نے عمرِ ہندہ حاصِل موت چھُنہٕ پتہ پتہ تحصیلدار" (۹۰)

ان واکھوں کی داخلی شہادت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لل دید کے زمانے کی تخلیق نہیں ہیں۔ بہر حال ہم نے عموماً ان واکھوں کو اُسی طرح نقل کیا ہے جس طرح یہ ہمارے حوالے کی کتابوں میں موجود ہیں۔ شاید یہی ایک صورت ہے جسمیں اختلاف کی بہت کم گنجائش ہے

اس امر سے غالباً کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کسی مضمون یا کتاب کا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرکے مفہوم کا ہو بہو ادا کرنا آسان نہیں۔ خصوصاً جب کہ مضمون اشعار کی صورت میں بیان کیا گیا ہو، اور باریک رموز و دقائق کا حامل ہو۔ موجودہ صورت میں یوگ کی اصطلاحات کے لئے اردو کی تنگ دامانی اور اسی قسم کی دیگر دشواریوں کے باعث یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ان امور کے پیش نظر اگر یہ ترجمہ کہیں کہیں ادائے مطلب میں قاصر نظر آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ ترجمے میں اختصار اور ترنم کا رنگ برقرار رکھنے کے لئے اسے جزواً باقاعدہ نظم اور جزواً نظم معرا میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسمیں موضوع کے مفہوم کو برقرار رکھنے کی پابندی کی وجہ سے بہر نوع موزونیت اور شاعرانہ لوازمات و محاسن کی توقع رکھنا نہ صرف غیر ضروری بلکہ انصاف سے بعید ہے۔ اُمید ہے علم دوست حضرات اسی نقطہ نظر سے ان اوراق کا مطالعہ فرمائیں گے اور فقط نفس مضمون سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کریں گے۔

یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے تعاون اور باہمی اشتراک عمل سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچادیا ہے۔ اور دونوں عوام کے سامنے اس کے پیش کرنے میں مساوی طور پر ذمہ دار ہیں۔ پروفیسر کول نے کشمیری "واکھوں" کا انتخاب کرکے ان کا اردو میں لفظی ترجمہ کیا۔ اور مقدمہ لکھا۔ پروفیسر

طالب نے اس ترجمے میں حسبِ ضرورت ردوبدل کرکے اِسے نظم کا لباس پہنایا، اور وضاحتِ مطلب کی غرض سے کہیں کہیں "واکھوں" کی ذیل میں تشریحی نوٹ بھی لکھے۔ پروفیسر کول نے متروک اور قدیم الفاظ کا ایک ضمیمہ بھی تشریح کے ساتھ تیار کیا۔ غرض دونوں نے مجموعی طور پر ایک دوسرے کے کام کا جائزہ لے کر متفقہ کوشش سے کتاب کے تیار کرنے میں حصہ لیا ہے۔

آج تک لل دید کے کلام کے جو نسخے شایع ہو چکے ہیں۔ ان میں "واکھوں" کی ترتیب کسی اصول کے تحت، نہیں پائی جاتی۔ موجودہ مجموعہ میں یوگ کی مشقِ عمل کے بتدریج مدارج کو مدِّ نظر رکھکر یہ ترتیب بدل دی گئی ہے۔

جیالال کول
نندلال کول طالب

(۱)

آمہ پنہٕ سۆدرس ناوِ چھس لمان
کتہٕ بوزہ دَیہ میون میہ تہٕ دِیہ تار
آمین ٹاکین پۆنی زن شمان
زُو چھُم برمان گرہٕ گژھہ ہا

(۲)

آیَس وَتے گیَس نہ وَتے
سُمن (ن) سوتھِ منز لۆستُم دۆہ
چندس وُچھُم تہٕ ہار (ن) م نہ آسے
ناوِ تارس دِمہٕ کیاہ بو

(ن) - سوتھِ منز (ن) م ہار ناو

(۱)

کچے دھاگے کی مدد سے ناؤ کو کھینتی ہوں میں - درمیان دریا کے متواتر جو ڈانواں ڈول ہے

کاش سن پائے مرا مالک مری آواز اب - اور اتارے پار مجھ کو اپنے رحم و فضل سے

حال اپنا کیا سناؤں کچھ کہا جاتا نہیں

میں ہوں اک کچا سا برتن جو بنا مٹی کا ہو - اور جس سے پانی رستا رہتا ہو آٹھوں پہر

روح کو خواہش ہے پائے اپنا یہ اصلی مقام

نوٹ:- ان اشعار میں بے بسی کی پکار کا اظہار ہے۔ للّی نے مذہبی ہدایات پر عمل کر کے منزل مقصود حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ ایسی بیکار ثابت ہوئی کہ گویا وہ کچے دھاگے کی مدد سے اپنی روح کی کشتی کو بحر ہستی سے پار لے جانا چاہتی تھی۔

(۲)

(ب)

شاہراہِ عام سے گو آئی میں — جا سکی واپس نہ پھر اس راہ سے

بند پر ہی سے ابھی تھی جا رہی — میں نے دیکھا اتنے میں دن ڈھل گیا

ڈال کر تب ہاتھ دیکھا جیب میں — آہ! اس میں ایک کوڑی بھی نہ تھی

پار دریا سے اترنے کے لئے — آپ ہی کہئے کہ اب دوں گی میں کیا

(الف)

شاہراہِ عام سے آئی تھی میں — پر نہ واپس جا سکی اس راہ سے

بند سے من کے گزرتی تھی ابھی — میں نے دیکھا دفعتاً دن ڈھل گیا

اپنے اندر میں نے گو ڈھونڈھا بہت — نام تک ہر کا کہیں پایا نہیں

پار دریا سے اترنے کے لئے — آپ ہی کہئے کہ اب دوں گی میں کیا

نوٹ:- یہ قطعہ ذو معنی ہے۔ اسلئے ترجمہ دونوں صورتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر "شو" ہی کا ایک نام ہے۔

نابدی بارس اٹھ گنڈ ڈیول گوم
دیہہ کاڈھول گوم ہیکہ کھیوؤ
گورہ سندون راون تیڈول پیوم
پھلار رڈست کینول گوم ہیکہ کھیوؤ

ن ۔ (گریس) دین کار

(۴)

پچھوہ ہار بجہ میٹر بوئے کان گوم
اکھ چھان پیوم یتھ رازدانے
منز باگہ بازرس قلفہ رڈس وان گوم
تیر تھہ رڈس پان گوم کس مالہ زانے

(۳)

بار نبات میں نے اٹھایا تو نیم نفس
قسمت سے میری سُست ہوئی بندش رسن

میری کمر کمان کی مانند جھک گئی پرت
اس بوجھ کو بتائیے کیونکر اٹھاؤں میں

نشتر لگا وہ ذہن پہ مرشد کے قول سے
جو کچھ مجھے عزیز تھا وہ مجھ سے چھن گیا۔

ریوڑ مرا یہ رہ گیا بے سایۂ شباں
اس بوجھ کو بتائیے کیونکر اٹھاؤں میں

رن اب میرے دن کا کام ہی سارا بگڑ گیا

نوٹ:۔ بار نبات سے مطلب دنیا کی نعمتیں اور دلفریبیاں ہیں۔ رسی ڈھیلی پڑ جانے کی وجہ سے اس کے لئے نبات کا بوجھ تکلیف دہ ثابت ہوا۔ یعنی بوجھ وبال جان بن گیا۔ اس کاروباری دنیا میں گویا اس کی زندگی بے مصرف رہی۔ لہٰذا وہ مایوسی میں غرق ہے۔

اس نے مرشد سے رجوع کیا۔ جس کی ہدایت سے اسے سخت چوٹ لگی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کوئی محبوب شے (یعنی دنیاوی عیش وعشرت جس کو ترک کرنا چاہیے تھا) کھو بیٹھی۔ اب اس کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ ان عناصر کے ریوڑ کا (جن سے اس کی ظاہری ہستی وجود میں آئی) چرواہا یعنی من بچھڑ گیا ہے۔ اور اس کی وجہ فقط ذات کی لاعلمی ہے

(۴)

لکڑی کی تھی کمان ملا تیر گلی اس کا
نجار بیوقوف ملا قصر کے لئے

بازار میں دکان رہی قفل کے بغیر
میرا بدن نہ پاک زیارت سے ہو سکا

کس حال میں ہوں اس کی کسی کو خبر نہیں

نوٹ:۔ یہاں للّ دید اپنی ناگفتہ بہ حالت کا بیان پیش کرتی ہیں۔

ألِنتھ ألِنتھ وَدَے بوٗ - وٲے
ژِتاہ مھیچ پیٚنِّچ ماے
روزِہی نو پیتہٕ لوٗ ہ - لِنگرپچ ژھاے
ژھینہ - سوٗ ریپ گیاہ موٗ ڈھے ماے

(۶)

ہاژیتا کوٗہ چھُے لُوٗ گمُت پر مَس
کوٗہ گوٗ ے اپزِ ہیں پزِ یک بروٗنت
دِشہ - بوٗز وٲش کوٗر زِکھ پر دھر مَس
پیٹہٕ - گرٛہھنہ زٔینہٕ - مرِ نسٕ کرٛونت

(۷)

تلہٕ چھُے زیُس تےٚ پیٹھٕ چھکھ ژان
وٗنتہٕ مالہِ مَنٛ کینتھ پژان پہ چھُے
سوٗ رھے سوٗ مبرتھ پیٹہٕ چھےٚ موٗ ژان
وُنتہٕ مالہِ ألِنٛ کینتھ رِہ ژان پہ چھُے

(۵)

خود اے لل ماتم کر رہی تجھ پہ ہیں — دھیرے دھیرے دُکھ بھری آواز میں

اے مرے دِل یہ تجھے کیا ہو گیا — کر لیا قابو ہے 'مایا' نے تجھے

سایہ تیرے آہنی لنگر کا بھی — ساتھ تیرا دے نہیں سکتا کبھی

آہ! تو اپنے حقیقی روپ کو — بھول بیٹھا، کس قدر افسوس ہے!

نوٹ :- لوہے کے لنگر سے دنیاوی مال و دولت مراد ہے جو انسان کی روح کو دنیا سے وابستہ کر دیتا ہے۔

(۶)

اے دل فریفتہ ہے عبث رُوئے غیر پر — سمجھا ہوا ہے جھوٹ کو سچ، یہ بُرا کیا

مغرور ہو گیا ہے پرائے دھرم سے تُو — یعنی ہے تجھ پہ جہل کی چھائی ہوئی گھٹا

اُلجھا ہوا ہے دامِ حیات و ممات میں — (ٹوٹے یہ جال دیکھئے وہ دن کب آئیگا)

(۷)

ہے تیرے نیچے چاہ تو اوپر ہے ناچتا — حیراں ہوں تیری عقل پہ کیونکر ہے مانتی

جو کچھ کیا ہے جمع نہیں چھوڑ جائیگا — کس طرح تجھ کو کھانے میں آتا ہے پھر مزا

(۸)

کیاہ کرٕہ پاٚنژن دٕہن تہٕ کاہن

وۄہ کھشن ییتھ لیچہ کرِتھ یِم گٔے

ساٚری سمہن ییتھ رزِ لمہن

اَدٕ کیاز راوِہے کاہن گاو

(۹)

دِلہٕ کِس باغس دُور کرِ غاصِل

ادٕہ دیوہ پھولِی ینمبرزل باغ

مرِتھ منگہ نے دُمرِہٕ ہنزٕ حاصِل

موت پھُے پتہٕ پتہٕ تحصیلدار

پانچ، دس، گیارہ کو کہئے کیا کروں — میری ہانڈی کر کے خالی چل دیئے
کھینچتے رسّی کو سب مِل کر اگر — کب یہ گیارہ گائے کو کھو بیٹھتے

نوٹ:۔ پانچ سے مُراد مادی دُنیا میں عملی تجربے کے پانچ اصول ہیں۔ (۱) حالت انجمادی (۲) حالتِ سیّالی (۳) حالتِ تشکیلی (۴) حالتِ اثیری (۵) حالتِ خلا۔

دس سے مراد پانچ خاص اور پانچ ثانوی 'اندریاں' ہیں۔ خاص اندریاں یا قویٰ یہ ہیں (۱) قوّتِ شامہ (۲) قوّتِ ذائقہ (۳) قوّتِ باصرہ (۴) قوّتِ لامسہ (۵) قوتِ سامعہ۔ ثانوی اندریاں یہ ہیں:۔ (۱) قوّتِ تناسل (۲) قوّتِ اخراج (۳) قوّتِ حرکت (۴) قوّتِ دستی (۵) قوّتِ صدا۔ گیارہواں مَن ہے جو قوتِ فکر کی صورت میں ان سب کو قابو کرتا ہے۔

یہ سب قویٰ مختلف طرفوں میں آوارہ ہو کر اپنا اپنا زور لڑاتے ہیں اور اس طرح سے 'آتما' یعنی روح کہیں کی نہیں رہتی۔ اس کی مثال اس گائے کی ہے جس کے گیارہ مالک ہوں۔ اور ہر ایک اس کو اپنی طرف کھینچتا ہو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گائے کہیں کی نہیں رہتی۔ ہانڈی سے مُراد روح یا جیا تما ہے جس سے لوگ عیش و عشرت حاصل کر کے چلے گئے اور اس کو بے بسی کی حالت میں چھوڑ گئے۔

(۹)

دُور کر دے باغِ دل سے اپنے سب آلائشیں — کیا تعجب اسمیں پیدا ہونگے پھر نرگس کے پھول
حاصلِ اعمال تجھ سے مانگیں گے مرنے کے بعد — تیرے در پے موت ہے گویا کہ اک تحصیلدار

(۱۰)

آیس کمہِ دِشہ تہٕ کمہِ وَتے
گژھ کمہِ دِشہ کوٚہ زانہٕ وَتھ
اَنتہِ داے گِمیے تَتے
چھینِس پھوکس کانٛژھ تہٕ نوستھ

(۱۱)

اژھین آے تہٕ گژُھن گژھے
پکُن گژھے دِیَن کیاوُ راتھ
یورٕ سے آے تہٕ تُوری گژُھن گژھے
کینٛہہ نتہٕ کینٛہہ نتہٕ کینٛہہ نتہٕ کیاہ

(۱۰)

آئی ہوں کس دیس سے کس راہ سے — جاؤنگی کس دیس سے حیراں ہوں میں

راستے کی کیا مجھے پہچان ہو

کس قدر خوش بخت میں ہوتی اگر — آگہی اس راز سے ہوتی مجھے

بے حقیقت ہے نفس بے اعتبار

نوٹ:- روح کہتی ہے اسے معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے آئی اور اس کو کہاں جانا ہے۔ سب سے اہم بات جس کو سمجھنا چاہیئے یہی ہے، ورنہ یہ زندگی محض ایک سانس ہے۔ یعنی بے سود۔

(۱۱)

بارہا آتے رہے ہم بارہا جاتے رہے — سلسلہ یہ آنے جانے کا رہیگا برقرار

جس جگہ سے اسطرح آتے رہے ہیں پے بہ پے — پھر وہیں جاتے رہینگے ہم برابر، بار بار

راز ہے کوئی نہ کوئی اسمیں پوشیدہ ضرور — ورنہ کیا سارا یہی ہنگامہ ہے بے اعتبار؟

نوٹ:- یہاں انسان کے آواگون کے چکر میں بار بار گرفتار رہنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۲)

یُتھہٕ یہٕ کرم کرہٕ بینیتھ ون پانس
اڑُن برزُن بێیس کیُت
انتہٕ لاگہٕ روست پُیشرن سوا تمس
اَدہٕ یوری گژھہِ تہٕ تورِ چھُم ہیوت

(۱۳)

گورَس پرژھام ساسہِ لٹے
یَس نہٕ کینہہ وَنان تَس کیا ناو
پرژھان پرژھان تھچس تہٕ لوسس
کینہہ نَس نِشہِ کیاہ تام دراد

(۱۴)

گورَن وَوُنم کُنے وَژُن
نیبرہٕ وَوُنم اَندرِ اَژُن
سُے گو للہِ مێ واکھ تہٕ وَژُن
تَوَے مێ ہیوتُم نَنگے نَژُن

(۱۲)

جو کام میں کروں اسے انجام کیوں نہ دوں　　ہوگا یہ بوجھ خود ہی اُٹھانا مجھے ضرور

پھل اس کا دوسروں کا ہے حصّہ تو خوب ہے

بے لوث میرا کام ہے اسمیں نہیں کلام　　ثمرہ اسی کو سونپ دوں اسکا میں شوق سے

ہوگا بھلا اسی سے میں جاؤں جہاں جہاں

نوٹ :- دنیاوی انسان کوئی کام کرتا ہے تو صرف فایدے کے لئے لیکن یہ فایدہ آخرت میں اس کا ساتھ نہیں دیتا - مردِ مومن کسی معاوضے کی توقع کے بغیر اپنا فرض ادا کرتا ہے - اور سب کچھ خدا کو سونپ دیتا ہے۔

(۱۳)

مرشد سے بات پوچھی یہ میں نے ہزار بار　　جس کا بیاں محال ہے اسکا ہے نام کیا

میں تھک گئی مگر نہ ملا آج تک جواب　　کچھ ہے جو سب کی اصل ہے اسمیں کلام کیا

(۱۴)

بچن ایک مرشد نے مجھ کو بتایا　　کہ باہر سے اندر ہی اندر چلی جا

اسی کو ہدایت، ارشادت میں سمجھی　　لگی ناچنے مست ہو کر میں ننگی

نوٹ :- لل کہتی ہے - مرشد نے مجھ پر یہ بات واضح کردی کہ "ظاہری دُنیا ہیچ ہے اسلئے خلوتخانہ دِل میں داخل ہو کر ذاتِ باطنی کے تصور میں ڈوب جا۔"

اسکا بیان ہے کہ جب اس ہدایت پر اس نے عمل کیا اور اپنی ذات کو ذاتِ خداوندی میں گم پایا تو عالمِ ظاہری کی تمام چیزیں اسے ہیچ نظر آئیں حتے کہ لباس تک غیر ضروری معلوم ہُوا - اور اُسے ترک کرکے برہنہ چلنے پھرنے لگی۔

۴۹

(۱۵)

رٲجس بٲجۍ ییٚمۍ کہِ تُل تیٚاجۍ

سۄرگس بٲجۍ چھےٚ تِہٕ تاٚے دان

سہرٕس بٲجۍ ییٚمۍ گورہ گٔتھ پاجۍ

پاپہ پیٚھ نی بٲجۍ چھےٚ پیٚنہٕ نٕے پان

(۱۶)

ہا مَنٔشہِ! کیاز چھکھ وۄٹھان سِکہ لۄر

اَمہ رٕٹہٕ ہیمالہِ پیٚکی نہ ناو

لیکھےٚ یہِ نار اٚنتھ کمہِ مۄنہٕ رٕکھ

تہِ مالہِ ہیٚکی نہٕ پھِر تھ کاہ

ن۔ و = اَمہ رٕکھ

ن۔ م = ہ مالہِ

(۱۵)

ہے نصب العین جسکا تیغ اس نے سلطنت پائی ۔ جو تپ اور دان کا خوگر ہے اسکو مل گئی جنت
عمل جس نے کیا ارشادِ مرشد پر ہوا واصل ۔ عمل کا پھل ہی ضامن ہے ثوابوں کا گناہوں کا

(اقبال مرحوم)

نوٹ :- ہر عمل کا پھل ملتا ہے ع عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
دنیاوی معاملات میں دوڑ دھوپ کرنے سے دنیاوی خوشحالی حاصل ہو سکتی ہے
اگر انسان کسی مذہبی فریضے کا پابند ہے تو وُہ اپنے عمل کا پھل آخرت میں پاتا
ہے مگر وُہ دیر پا نہیں ہوتا ۔ جب اعمالِ نیک کے پھل کا سرمایہ ختم ہو جاتا ہے تو
وُہ آواگون کے تابع ہو جاتا ہے ۔ آخری نجات پانے کی ایک ہی صورت ہے
اور وُہ یہ کہ انسان خودشناسی حاصل کرے جو فقط مرشد کی ہدایت سے
حاصل ہو سکتی ہے ۔

(۱۶)

آہ اے انسان تو کیوں پیٹتا ہے رسم کی ۔ اس عمل سے تیری کشتی آگے جانے کی نہیں
لکھ دیا جو کچھ ازل میں کاتبِ تقدیر نے ۔ یاد رکھ ! کوئی اسے ہرگز بدل سکتا نہیں

نوٹ :- ریت کی رسی مذہب کی ظاہر داری اور دنیاوی عیش و عشرت کی خواہش
کیلئے استعمال کی گئی ہے ۔

(۱۷)

گیانہ مارگ چھےٚ ہاکہٕ واٲر

دِزٕنیس شمہ دمہ کرٕ یہ پٲنٛز

لاما ژکرہ پوٚش پرٲنۍ کرٕ یہ دار

کھیٚنہٕ کھیٚنہٕ موہ ژٕری واٲرٕہی چھیٚنۍ

(۱۸)

غافِلو ہیٚکہٕ قدم تُل

وُنہِ چھےٚ سُل تہٕ ژھانڈُن یار

پَر کر پَیدا پرواز تُل

وُنہِ چھےٚ سُل تہٕ ژھانڈُن یار

(۱۷)

معرفت کا باغ ہے اک ساگ زار دلپسند جس کو ضبط و ربط سے دل کے سکون وصبر سے

جیط، فصل پسندیدہ سے خود محفوظ رکھ

اسطرح پچھلے جنم کے جو ترے اعمال ہیں بھیڑ بکری جیسے تو دیوی کے آگے کر نثار

یوں ہی ہو جائیگا خالی رفتہ رفتہ ساگ زار

نوٹ:۔ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو پچھلے جنموں میں کئے گئے ہوں۔ جن کے نتائج اب بھی باقی رہتے ہیں اور دوسرے وہ جو موجودہ جنم میں کئے جاتے ہیں دونوں نتائج کے حامل ہیں۔ جب تک یہ نتائج باقی رہتے ہیں۔ آخری نجات ناممکن ہے۔

باغِ معرفت میں ساگ سے مُراد موجودہ جنم کے اعمال ہیں۔ اس کو احتیاط سے روزانہ مذہبی فرائض اور ضبط وسکوں کے ذریعے سے بیرونی ترغیبات سے بچائے رکھنا چاہیئے۔ اس باغ میں جن بھیڑ بکریوں کو چرنے کی اجازت دی گئی ہے اور جن کے مقدر میں قربان ہونا ہے وہ پچھلے جنموں کے اعمال ہیں جن کا پھل موجودہ فصل یعنی اعمال ہیں۔ نیک اعمال سے محصور کئے جانے پر بکریاں ساگ کھانے پر مجبور ہو جاتی ہیں یا بالفاظ دیگر پچھلے جنموں کے اعمال کا پھل ختم ہو جاتا ہے۔ یہ کام بکریوں کی قربانیوں سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح روح لامکاں میں جذب ہو جاتی ہے۔

(۱۸)

غافل قدم اُٹھا کہ تیرا راستہ ہے دُور اب بھی ہے وقت دوست کی اپنے تلاش کر

پرواز کے لئے پر پرواز ہے ضرور اب بھی ہے وقت دوست کی اپنے تلاش کر

(۱۹)

دَمَن بستہِ دِ تو دَم
تِھے ییچھِ دَمن کھار
شُشترِس سعون گرشھی حاصل
وُنِہ چھے سُل تہ ژھانڈُن یار

(۲۰)

دِیہچہِ لَرِہ دارِہ برَ ترُوپیدِم
پِڑانہِ ژُور روُطمِ تہ دُیتمس دم
ہِڑ دِیچہِ کُوٹھڑِہ اندر گوُنڈُم
اوِمکہِ چوبکہِ تُلمس بمَ

(۱۹)

قالب کی دھونکنی میں تو انفاس اپنے بھر — جس طرح بھرتا رہتا ہے ہر دم ہوا لوہار

لوہا تیرا بنے گا اسی طرح زر کبھی — اب بھی ہے وقت یار کی اپنے تلاش کر

نوٹ:- مطلب یہ کہ جس طرح لوہار دھونکنی میں ہوا بھر کر اس کے ذریعہ سے لوہے کو جس شکل میں ڈھالنا چاہتا ہے ڈھال لیتا ہے۔ اسی طرح حیاتی نفس کو قابو کرنے سے روح یا جیو آتما کے لوہے کو ذاتِ حقیقی کے سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

(۲۰)

جسم کے در اور دریچے بند میں نے کر دئے — اور دُزدِ نفس پر مسدود کی راہِ فرار

دِل کے خلوت خانے میں پھر باندھ کر رکھا ہے — "اوم" کے چابک سے پیٹا خوب اسکو بارہا

نوٹ:- دُزد یعنی چور سے مراد دنیاوی ترغیبات اور ہوا و ہوس ہے۔

(۲۱)

ژِتہ تُرٗگ وَگہِ ہیتھ رٹُم

ژٔلِتھ مِلہِ وِتھ دَشہ ناڑٕ واو

تَوَے شَشہِ کَل وِگلِتھ وٲژھم

شِنیس شُنیاہ . میلِتھ گو

(۲۲)

پوٗرن پوٗرتھ لُس اَنہ دَگہ

قُس یوہ شیرشہ نہ بچھ تہ تریش

تریس کرن انتہ تگہ

سمارس سٕے زیبہ نیچھ

(۲۳)

ژیتہ توٗرگ گگنہ بٔرمہ وون

نمیشہ اکہِ ژھنڈِ یوزنہ لچھ

ژیتہ وگہ بیو د ژٔٹہتھ زون

پران اپان سند آرتھ پکھچ

(۲۱)

میں نے لگامِ ہوش وخرد کو سنبھال کر قابو کیا خیال کے گھوڑے کو ہر طرح
دس ناڑیوں میں باندھ لیا نفسِ ناطقہ سعیٔ بلیغ سے وہیں مرکوز کردیا
اب چاند کی کلا بھی یکایک پگھل گئی اور رفتہ رفتہ میرے بدن میں اتر گئی

یعنی خلا بھی جذب ہوا لامکاں میں اب

نوٹ:- لگام سے مراد ہے عدم خواہش۔ ناڑیوں سے رگیں مراد ہے جن میں سے سانس کا دورہ ہوتا ہے۔ ریاضت گذار کا مقصد حبسِ نفس ہوتا ہے۔ جب وہ اس پر قادر ہو جاتا ہے تو "سہسرارا" میں متمکن چاند امرت ٹپکاتا ہے۔ خلا سے مطلب وہ منزل ہے جہاں کائنات یعنی خارجی حقیقت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

(۲۲)

جو بطرزِ دلپسند قابو کریگا شوق سے اپنے انفاسِ حیاتی کو برابر بار بار
اور اس مشقِ مسلسل سے جو ہوگا بہرہ ور کب ستا سکتی ہے اسکو بھوک ہو یا پیاس ہی
کرسکے جو آخری دم تک عمل یہ اختیار ہے وہی عالم میں بیشک ایک موجودِ سعید

نوٹ:- "پورک" یعنی سانس اندر کو کھینچ لینا حبسِ نفس یا "پرانایام" کا ایک طریقہ ہے یہ عمل مکمل یوگ یا وصلِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے فائدہ مند ہے۔

(۲۳)

من کا گھوڑا ہے فلک پیما کہ دم کے دم میں جو مثلِ باد تند کرلیتا ہے لاکھوں میل طے
جو لگام درک و دانش سے اسے قابو کرے اور راہِ خودشناسی میں ہو قابض اس پہ آپ
سانس کی گاڑی کے پہیوں کو عمل کے شوق سے روک سکتا ہے وہی ہوتا ہے کامیاب

نوٹ:- "پان" اور "اپان" پر قابو پانے سے یعنی حبسِ نفس سے خودشناسی حاصل ہوتی ہے

(۲۴)

زانہ ہٹے ناڑِہ ڈَل زُٹھتہ
زےٹھتہ ڈُٹھتہ، گُسٹھتہ نگیش

زانہ ہٹے ادہ استہ رَسایِن گُٹھتہ
شُوچھے کُوٹھ تہ ڈین ووہ یدیش

(۲۵)

ششرِس وُٹھ گُس رَڑٹیے
گُس بوہکیٹے رَڑٹیے واو

یُس پانشئندریے ڈیلیتھ ڈیٹیے
سُے رَڑٹیے گیٹیے رَو

(۲۴)

مجھے معلوم جو ہوتا کہ کیونکر من کے ذریعہ سے ان اپنی ناڑیوں پر آپ قابو پا سکونگی میں
پھر ان کو کاٹ کر کیسے رکھوں کیونکر سمیٹوں میں تو میرے سارے دکھ اور درد بیشک ہی ختم ہو جاتے

اور اکسیر حقیقی کا بنانا مجھ کو آجاتا
ہائے پانا شو کا مشکل غور سے اپدیش سن ویلے

نوٹ:۔ ریاضت گزار کا فرض ہے کہ ناڑیوں کو قابو کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ من کو آلاتِ عمل سے الگ کر کے سکون و سکوت کا خوگر کرنا چاہیئے اکسیرِ حیات سے معرفتِ ذات مراد ہے۔

(۲۵)

روک سکتا کون ہے جاڑے میں چکش بام کو؟ اور مٹھی میں بھلا بادِ صبا پکڑیگا کون؟
جو سمیٹے اندریوں کو کٹ کر رکھے انہیں دسترس پائے اُجالے پر اندھیرے میں وہی

(۲۶)

اَکُے اومکار یُس نابہ دَرے
کُمبُے برہمانڈَس سُم گَرے
اَکھ سُے مَنتھر ژیتس کَرے
تس ساس مَنتھر کیاہ کَرے

(۲۷)

دماہ دَم کورمس دَمَن ہالے
پرژلیوم دیچھ تہٕ نینیم ذاتھ
اَندرِمُم پرکاش نیبر ژھوٹُم
گٹہٕ رٹُم تہٕ کرٔمس تھپھ

(۲۶)

ناف سے جس کی نکل کر ہو رواں بس ورد "اوم" اور کرے "برہمانڈ" تک "کمبک" کے ذریعے صعود

پھر جو صدقِ دل سے فقط یاد یہ منتر کرے کیوں نہ ہو جائے ہزاروں منتروں سے بے نیاز

نوٹ :- یہ قطعہ اوم کی تعریف میں ہے جس کی نسبت بتایا گیا ہے کہ اس میں تمام منتروں سے بڑھکر اوصاف پائے جاتے ہیں۔ "ناف" جس کو "کنڈا" کہتے ہیں تمام انسانی خیال و عمل کا مرکز بتائی جاتی ہے جہاں سے مختلف نلیاں جن میں سے انفاس گزرتے ہیں۔ پرتو پذیر ہو جاتی ہیں۔ برہمانڈ (برہمہ اندر) اس جوف کو کہتے ہیں جو انسان کے کاسۂ سر میں واقع ہے اور جو شیو (ذاتِ اعلیٰ) کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ اور جو ایک چاند کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ یہ انسان کی اپنی ذات سے الگ نہیں۔ اگر انسان اس حقیقت کو پہچان لے تو اس کو کسی اور کی پرستش کی ضرورت نہیں، کمبک سے مراد حبسِ نفس کی ایک خاص مشق عمل ہے۔

(۲۷)

مشق میں حبسِ نفس کی دمبدم کرتی رہی اس عمل سے مجھ میں روشن شمع عرفاں ہو گئی

کھل گئی مجھ پر حقیقت ذات کی اک آن میں

روشنی اندر کی کر دی میں نے باہر آشکار اور پکڑا اس کو تاریکی میں محکم اسطرح

ہاتھ سے جانے دیا اسکو نہ ہرگز پھر کبھی

نوٹ :- یوگ کے عمل میں حبسِ نفس کی مشق بہت ضروری ہے۔ لل کہتی ہے کہ حبسِ نفس کی مشق نے اس کے دل میں نور کا ظہور رہا۔ جو بعد میں صرف دل تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس کے تمام وجود کو اپنی لپیٹ میں لے آیا۔

(۲۸)

ژالُن چھُہ وُنۍ مَلِہ تہٕ ترٛٹے
ژالُن چھُہ مشدِ نیٖن گٹہٕ کار
ژالُن چھُہ پان پَنٕن کڈُن گرٹے
ہیٚیتہٕ مالِہ سنتوشؠ واتِی پانے

(۲۹)

لَتن ہنٛد ماز لاریوم وَتَن
اکی ہاوَنم اکہِ چِی وَتھ
یم یم بوزَن تِم کونہٕ مَتن
للہِ بوزُ شَتن کُنِی کتھ

(۳۰)

ٹیوٹھ موٗدُر تۓ میوٹھ زہر
ییٚس یوٗت ژھنکھ جتن باو
ییٚمی ییٚتھ گرہی کُل تہٕ قہر
شہ نتھ شہر واتتھ پیٚیو

(۲۸)

کس کو کہتے ہیں تحمل؟ کیا تجھے معلوم ہے؟ آ بتاؤں تا کہ تو بھی واقفِ اسرار ہو

ہے تحمل برق اور اسکی گرجتی سی کڑک اور ہے یہ تیرگیٔ شب بوقتِ نیم روز

ہے تحمل پیسنا چکی میں اپنے آپ کو تجھ میں ہو صبر و تحمل تو وہ خود دل جائیگا

---

(۲۹)

میرے تلوؤں کا یہ سارا گوشت پوست ساتھ رستے کے چمٹ کر رہ گیا

ایک نے اک کا دکھایا راستہ جو سُنے یہ کیوں نہ دیوانہ بنے

باندھ لی للّ نے گرہ یہ شوق سے مدعا پانے کو سو کی ایک بات

نوٹ:- یہاں للّ دید کا مطلب یہ ہے کہ شروع شروع میں اسے تلاش حق میں بہت سی تکالیف اُٹھانی پڑیں۔ لیکن آخر میں جب اسے وحدت اور وحدت الوجود کا گیان حاصل ہوا تو اسے راستہ صاف نظر آیا اور یہی رازِ حقیقت تھا۔

(۳۰)

کڑوا میٹھا ہے تو پھر میٹھا بھی کڑوا ہی تو ہے

جو بقدرِ استطاعت سعی و کوشش میں لگے

اور جو جس چیز کے درپے ہے اُس کے لئے

شوق و ہمت، صبر و استقلال کا خوگر بنے

بے شبہ وہ منزلِ مقصود تک آجائیگا

نوٹ:- کڑوا سے مراد ہے ضبط اور خواہشات پر قابو پانا جس کا پھل میٹھا ہوتا ہے ۔میٹھا سے مراد ہے ان خواہشات کو بے لگام چھوڑ دینا۔ جس کا انجام کڑوا ہوتا ہے۔

(۳۱)

تتہٕ منہٕ گیٚس بہٕ تس گنٛے

بُوزہٕم ستیٚج گنٹا وزان

تتھ جاپہٕ دھارنا یہ دھارن اُٹھم

آکاش تہٕ پرٛکاش کورُم سرہٕ

(۳۲)

کوٚ چھکھ دِوان اَسہٕ نیٚ بُرٛتھ

ترٛکھ اَسے چھکھ تہٕ اَندرٕ اُرتھ

شِوپہٕ چھے اَتھ تَرے کُن موگرٛتھ

سَہزہٕ کھنہٕ میانہٕ کَرتو پرٛتھ

(۳۳)

اَتھہٕ مَبا تراوُن خربا

توٚکہٕ ہیٚنز کوہ نگ داہ کھییی

تتہٕ گُس بادرٕ تھربا

ییتہٕ نَنس کرتَل پیٚیی

(۳۱)

ہیں رہی تن من سے اس کے دھیان میں
حق کی گھنٹی بجتی تھی میں نے سُنی
ایک عالم تھا جہاں مجھ پر کھُلی
ماہیت آکاش اور پرکاش کی

(۳۲)

اندھے کی طرح پھر نہ سکھی یوں ٹٹولتی
دانا اگر ہے اپنے ہی باطن کی سیر کر
تو جا کہیں نہ بس وہی شو کا مقام ہے
میرے سخن پہ بہر خدا اعتبار کر

(۳۳)

ہاتھ سے اپنے نہ جانے دے گدھا
کھائیگا وہ زعفراں زارِ دگر
تیرے بدلے کون بھگتیگا سزا
تجھ نہتے پر جو برسائیں گے تیغ

نوٹ:- "گدھا" سے مراد 'من' ہے۔

(۳۴)

لَل بوہ لُوٗژُس ژھاڑان تۂ گہران

ہَل میٚہ کوٚرمَس رسہٕ نِشہٕ تہ

وُچھُن ہیوتمَس تادِ ڈیٹھمَس بَرَن

میٚہ تتِہ کَل گنیِہ زوگمس تتی

(۳۵)

مَل ووندِ زولُم

جِگر موٚرُم

تیلہِ لل ناو درام

ییلہِ ڈٔلِ تراوِمَس تتی

کرتے کرتے اس کی ہر سو جستجو کیا بتاؤں للؔ تجھے میں تھک گئی

صرف کوشش میں کیا زورِ تمام بلکہ اس سے بھی کہیں آگے بڑھی

شوق سے اسکی طرف ڈالی نظر آہ! دروازے پہ کنڈی تھی لگی

چاہ میری بڑھ گئی پھر اور بھی تاک میں اس کی وہیں بیٹھی رہی

نوٹ:- محبوب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اس کے کرم کی ضرورت ہے۔ ورنہ وہاں تک پہنچنے کے لئے انسانی کوششیں لاحاصل ہیں۔

(۳۵)

میل میں نے من کا سارا دھو لیا خواہشاتِ دل کو بھی قابو کیا

مست ہو کر دامنِ عجز و نیاز اس کے آگے شوق سے پھیلا دیا

ہو گئی مشہور للؔ نزدیک و دور

نوٹ:- للؔ نے جب من کو ہوا و ہوس سے آزاد کیا۔ اور جب وہ نیاز مندی کے ساتھ صبر سے انتظار کرتی رہی۔ پھر کہیں اسکی چشم بصیرت کھل گئی اور للؔ عارفہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۳۶)

لل بو درا یس لوله رے

ژھانڈان لُو سُتم دیَن کیہَو راہتھ

وُچھُم پینڈِ ہتھ پنِنہ گرے

ژئے میئہ روُ ٹمس نیَچھتُرِ تہِ ساتھ

(۳۷)

ژھانڈان لُو ژِھس بائی پانس

ژھیَپتھ گیانس ووتُم ناگوُ ژھ

لے کرُمس تہِ وائژِیں الیتھانس

یُژی یُژی باپہ تہِ چیوان نہ کوُ ہَنہ

انتہائے جذبۂ عشقِ حقیقی دور تک — لے گیا کھینچے ہوئے مجھکو تلاشِ حق میں لل
اس کے ذوقِ جستجو میں جابجا پھرتی رہی — الغرض دن ڈھل گیا اور رات بھی آخر ہوئی
آہ! اب یہ کھُل گیا مجھ پر کہ پنڈت کا مقام — میرا ہی گھر ہے جہاں دائم ہے اس کا مستقر
تھی مرے نزدیک بے شک اک وہی ساعت سعید

نوٹ :- لل کہتی ہے۔ میں تلاشِ حق میں بہت دیر تک سرگرداں رہی لیکن آخر کار مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے ہی گھر یعنی آتما میں موجود ہے۔ پنڈت سے حق کی ذات مُراد ہے۔

اس قطعہ کا مطلب ہے۔ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ

تھک گئی میں کرتے کرتے آپ اپنی ہی تلاش (۳۷) — رازِ سربستہ مگر یوں گیان کا پاتا ہے کون؟
جذب ہو کر رہ گئی ہیں معرفت کے بحر میں — پایا اپنے آپ کو اک میکدے میں اسکے بعد
خم کے خم بھرپور جس میں تھے کوئی پیتا نہ تھا

نوٹ :- انسانی مساعی معرفت کامل حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ صرف سکون اور اللہ کے فضل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب لل اپنی اور ذاتِ الٰہی کی یکتائی سے آشنا ہوئی تو وہ میکدے یعنی امرت بھون میں پہنچی۔ امرت بھون سے چاند مراد ہے جس میں ماہ بماہ امرت پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اس سے مراد وہ پُر اسرار چاند ہے جو ذاتِ الٰہی کی علامت ہے، اور کاسۂ سر میں اس جگہ واقع ہے جسے سہسرارا کہتے ہیں۔ یوگ کے عمل سے ریاضت گزار آخر کار سہسرارا میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر ذاتِ حق میں۔ لل افسوس ظاہر کرتی ہے کہ بہت کم لوگ اس ذریعہ نجات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کہتی ہے کہ نجات پانے کی یہ شراب (امرت) تو دستیاب ہے لیکن بہت کم پیتے ہیں۔

(۳۸)

سَہَز بَس شم تہٖ دم نو گرٔ شھے

یٖیرٔ ٹھ نو پٔزاوٕ کھ مکتی دٕوار

سِلِس لوٗن زٔن مبلیتھ گرٔ شھے

توٗتہٖ پچھُے دوہ رلب سَہَزہ ویٔژار

(۳۹)

مُوڈو کژ یٖیے پچھَے نہ دھارن تہٖ پارن

مُوڈو کژ یٖیے پچھَے نہ رچھنی کاے

مُوڈو کژ یٖیے پچھَے نہ دیہہ شدارن

سَہَز ویٔژارُن پچھُے دوہ پدیش

(۴۰)

ژلہ ژرتا دوہ ندس بیہ مو بر

چوٗن ژنتھ کران پانہ آناد

ژءٖ کو۔ زٔننی کھیوہ د ھرِہ، کر

رٔکیوٕ ل تسٕندُے تارُک ناد

تو وجود و ذاتِ حق کی چاہتا ہے معرفت   حاجتِ ضبط و سکوں اس کیلئے کچھ بھی نہیں

آرزومندی سے خالص پا نہیں سکتا نجات

دھیان میں کوئی نہ ہو کیوں نہ تو ہی آٹھوں پہر   جس طرح پانی میں گھل جاتا نمک ہے سر بسر

پھر بھی اندازہ تشخص کا بہت دشوار ہے

نوٹ :- ذاتِ حق کا مشاہدہ محض تمنا اور تزکیۂ نفس وغیرہ سے ہی نہیں ہو سکتا۔

(۴۰)

محوِ آرائش و پیرائش رہے   حق پرستی کی رہے دن رات فکر

یہ عمل صالح نہیں اے بیوقوف

ذات کی پہچان ہی اندیشہ ہے

(۴۱)

اے مرے بے چین دل   خوف سے کر اجتناب

ذاتِ حق کو ہر گھڑی   فکر رہتی ہے تری

خرم و دلشاد ہو   ہر طرح آزاد ہو

بہرِ تحصیلِ نجات   رات دن اس کے حضور

'اوم' ہی کا وِرد کر   دمبدم آواز دے

نوٹ :- دنیاوی ضروریات کیلئے خدا پر توکل کرنا چاہیئے وہی سب کچھ مہیا کرنے والا ہے۔ اس کا سہارا حاصل کرنے کیلئے ایفائے مراسم کی ضرورت نہیں۔ جو بات اہم ہے وہ یہ کہ متواتر 'اوم' کا ورد اعتقاد کامل کے ساتھ کیا جائے اس عمل سے ذاتِ حق تک رسائی ہو سکتی ہے اور یہی انسان کا منتہائے مقصود ہے۔

(۱۸)

دِیو وَٹا دِوُر وَٹا
پینٹھ بوٚن چھےُ پیکہٕ واٹھ
پوٗز کس کرَ کھ، ہوٹہٕ بٹا
کرَمنَس تہٕ پوَنَس شنکاٹھ

(۶۱)

مورتی ہو دیوتا کی یا ہو مندر کی نمود
دونوں کی تشکیل میں پتھر ہی پتھر ہے عیاں
زیر و بالا، پیش و پس پتھر ہی پتھر پائیگا
تو پرستش کس کی کرتا ہے بتا پنڈت مجھے
من کو ہاں اپنے نفس کا رات دن ہمدم بنا

نوٹ:- ظاہری پرستش بے معنی ہے، اپنے من کو اپنے پران سے ملانا چاہیئے، اور اُسی کے دھیان میں لگانا چاہیئے۔

(ا)

کُس پُش تہٕ کوٚس پُشانی
کَمہٕ کُسُم لاگِ زٕلیس پوٗزے
کَوہٕ گوٚڈ دِزٕنیس زَلچہٕ دانی
کَوہٕ سَنہٕ مَنترٕ شێنکرسو اتمہٕ وُزے

(ب)

مَن پُش تےٚ یَژھ پُشانی
باوِکہٕ کُسُم لاگِ زٕلیس پوٗزے
شێشہٕ رَسہٕ گوٚڈ دِزٕنیس زٕلچہٕ دانی
ژھوٚپہٕ مَنترٕ شێنکرسو اتمہٕ وَزے

کون ہے مالی کون ہے مالن کس ساماں سے؟ کون پھولوں سے
پوجا اس کی تو کرتا ہے
من کی شانتی حاصل کر کے کس ندی کے جل سے اس کو
دھیرے دھیرے نہلاتا ہے
کس منتر سے ذاتِ حقیقی یعنی تیرا جوہرِ اصلی
جلوہ اپنا دکھلائے گا

نوٹ:- یہاں رسمی پرستش کا ذکر کیا گیا ہے جو للّٰہ کے نزدیک بے معنی ہے
وہ کہتی ہے خود شناسی حاصل کرنے کا یہ ذریعہ نہیں۔

(ب)

من ہے مالی شوق ہے مالن پوجا میں گلہائے عقیدت
اس کے آگے لا کے رکھ دے
چاند کے رس کی گنگا سے پھر تازہ تازہ پانی لے کر
اس کو تو اشنان کرا لے
جپ لے منتر ہوگا اجاگر آتم تیرا یعنی شنکر
دیکھیگا تو من میں اپنے

نوٹ:- یہاں رسمی پرستش کے خلاف روحانیت کی برتری کا ذکر کیا گیا ہے چاند
سے مراد وہ پُر اسرار چاند ہے جو کاسۂ سر میں متمکن ہے اور اس کے رس سے وہ امرت
مُراد ہے جو عبادت گذار کے روحانی جسم میں داخل ہوتا ہے۔ اور اسے اپنے آپ کا
مالک بنانے کے قابل کر دیتا ہے۔ منتر سے مطلب سکوت کا عمل ہے جسمیں ریاضت گذار
بغیر کسی آواز کے فقط سانس کے اُتار چڑھاؤ سے کام لیتا ہے۔

(۴۳)

گُش پوش تیل دِیچھ زٕل ناگرٕ چھے
سَدبھاوٕ گوٚ ہ کِتھ یُس مَنہٕ ہیٚیے
شمبھوٗ ہس سوٚ رٕ نیتی پنٕنہٕ پرٕ چھے
سادٕ پیٚترٕ سے سَہ ہِ اکرہی نایٕ ہیٚیے

(۴۴)

لَز کاسی شیت   نِوارِی
ترٕن زٕل کرٕی   آہار
یہِ کیٚمۍ وۄپدیش کۆرُوٗی بٹا
اَچیتَن وَٹس کس دِنیُن آہار

(۴۳)

پرستش کے لئے حاجت نہیں دیپک کی یا تیل کی — نہ پانی کی کُشا کے گھاس کی یا پھول اور پھل کی
جو مُرشد کی ہدایت پر عقیدت سے عمل کرتے — جو فرطِ شوق سے 'شمبھو' کو ہر دم یاد بھی کرتے
وجودِ ذاتِ حق میں محو ہو جاتا ہے وہ آخر — عمل سے لاتعلق ہو کے پاتا ہے نجات آخر

نوٹ :۔ ظاہری عمل اور خواہش ذاتِ حق کے ساتھ مل جانے میں سدِّ راہ ہیں۔ اور انسان کے بار بار جنم لینے کا باعث ہیں۔ مُرشد کی ہدایت کے مطابق اپنی ہی ذات میں ذاتِ حق کا احساس پیدا ہونے پر انسان سلسلۂ عمل سے آزاد ہوتا ہے۔ کُشا ایک قسم کی گھاس ہے جس کو متبرک سمجھا جاتا ہے اور مختلف مذہبی رسوم انجام دینے کے موقع پر استعمال کی جاتی ہے۔ 'شمبھو' شِو ہی کا ایک نام ہے۔

(۴۴)

ہے ستر پوش تیری سردی سے ہے بچاتی
جل اور گھاس پر ہے گزران کرنے والی
اے بیوقوف پنڈت! ہے کِس کی یہ ہدایت
جاندار بھیڑ کو تو بے جاں صنم کے آگے
بے جرم ذبح کر دے اور لے ثواب اُلٹا

(۴۵)

پڑبھے تیر بقن گرشھان شنیاس
گوڈاران سعور شینہ میوُل
ژتا پرُبحتہ ہور شپتھ آس
ڈیشکھہ دُورے ڈرمن نیوُل

(۴۶)

شو دا کیشو وا زِن دا
گمِہ لکہ ناتھ نام دا آرن یپوہ
منہ ایلہ کا عسی تن بوہ رُز
شہ وا، شہ وا، شہ وا، شہ

(۴۷)

ہتھ کیاہ جان ٹھکھ دوندچھے گمنی
اصلچ کتھ زاہ سُنی نو
پران لیکھان وتھ اوہ نگج گجی
انڈرم دوئی زاہ ژجی نو

(۴۵)

تیرتھ استھانوں میں سنیاسی ہیں جاتے روز و شب
تا کہ ہوں وہ جلوۂ حق سے کسی جا بہرہ یاب

اسمیں بھی ہے اپنے ہی دیدار کی ان کو تلاش

جان کر انجان تو بنتا ہے اے دل کس لئے
سبز آئیگی نظر جب دیکھیگا سبز عینک لگا

نوٹ:- یہاں خدا کو زیارت گاہوں میں پانے کی عبث کوشش کا ذکر کیا گیا ہے
وہ خود طالب دیدار کی ذات میں جلوہ گر ہے۔

(۴۶)

وشنو ہو یا کیشو ہو جن ہو یا وہ گوتم بدھ ہی ہو
یا وہ کملج برہما ہو، کچھ بھی اس کا نام تو

دے وہ مجھ بے بس کو دنیا کے مصائب سے نجات
خواہ کہلائے وہ یہ اور خواہ کہلائے وہ کچھ

نوٹ:- 'کیشو' سے مراد وشنو ہے۔ 'جن' سے مطلب جینیوں کا پیغمبر یعنی مہاویر۔ کملج کے معنی کنول سے پیدا ہوا یعنی برہما۔ مطلب یہ کہ ذات الٰہی کو کسی بھی نام سے پکارا جائے۔ بہرصورت وہی نجات دہندہ ہے۔

(۴۷)

دیکھنے میں تیری صورت دلفریب
دل تیرا پتھر ہے لیکن کم نہیں

بات حق کی تجھ کو نا مقبول ہے

پڑھتے پڑھتے لب تیرے اور انگلیاں
لکھتے لکھتے ہو گئیں فرسودہ سب

پر ہوئی دل سے دوئی تیرے نہ دور

(۴۸)

پَران پَران زیوٚ تال پھٔجِم
ژٕ ہیٚکی گرٕنے تیٚجِم نٕہ زاہ
شُمرَن پھِران نیٚمٹہٕ تہٕ اَونگِج گٔجِم
مَنٕسیٚج ڈُولیٔ مالہِ ژٕ جَجِم نٕہ زاہ

(۴۹)

وٕچھنِس اَوٚبرَس زاٖیُن نٕہ زانہٕ ہا
سمُندرس نہٕ زانہٕ ہا گٔڈِتھ اُٹھ
مُنٕدرِس رُوگیَس وَیدیُت زانٕہ ہا
موٗڈَس نہٕ آنٕزم نہٕ پرٕ نِتھ کتھ

(۵۰)

تٔرمَن ژٔٹِتھ دِ نِتھ بیٚنٕژ پانٔس
تیٚتھ کیاہ وَوٚ پھیوٚتھ تہٕ پھلِہی سوو
موٗڈس وٕہ بیٚش گٔژھ ریٚشنٕی دُمٹس
گٔنٕز داندس گور آپرِتھ روو

(۴۸)

ہوئے فرسودہ پڑھ پڑھ کر دعا میری زباں میری — مگر شایانِ شان تیرے ریاضت کب کہلائے
ہوئیں فرسودہ مالا جپتے جپتے انگلیاں میری — دوئی دل سے نہ میرے مٹ گئی کیا کیا نہ دکھ پائے

(۴۹)

آساں تھا بادلوں کا ہٹانا مرے لئے — ممکن تھا میں نکالتی دریا سے سارا آب
بیمارِ خستہ حال کا کر سکتی میں علاج — لیکن میں بیوقوف کو قائل نہ کر سکی

(۵۰)

کاٹ لی ہے کھال تُو نے اور پھر — اس کو پھیلایا ہے میخیں گاڑ کر
بیج کیا کوئی ہے تو نے بو دیا — جس سے کچھ اُگ آنے کی اُمید ہو
دینا کچھ اپدیش ناداں کو ہے کیا — گولیاں گنبد پہ گویا پھینکنا
یا بکثرت گڑ کھلا کر سانڈ کو — رہنا اُس کے دودھ کا اُمیدوار

نوٹ: جس طرح ایک ادنےٰ چمار کا کام یہ ہے کہ وہ لاش سے چمڑا حاصل کرکے اپنی ضروریات کے مطابق اسے چیر پھاڑ کر سکھانے کے لئے پھیلا دیتا ہے اسی طرح ایک دنیاوی انسان اپنے جسم کی پرورش کرتا ہے جو بجائے خود ایک کھال ہے اور اسے عیش و تنعم کے عالم میں خواہشات کی میخوں سے کس کر پھیلا دیتا ہے۔ بخلاف اس کے ایک عقلمند انسان ایک شائستہ مزارع کے مانند ہے۔ وہ اچھا بیج بوتا ہے جو اُگتا ہے اور فیضِ روحانی کی فصل کا حامل ہوتا ہے دنیاوی بیوقوف آدمی کو ہدایت دینی گنبد پر گولیاں پھینکنے یا ایک گندمی رنگ کے طاقتور بیل کو گڑ کھلا کر اس سے دودھ حاصل کرنے کی توقع رکھنے کے مترادف یعنی فضول ہے۔

(۵۱)

اَوٚیِستارٕ کِہ پوٚتھٕتَین چھِی مو بالہٕ پران

پیٚتھہٕ طوطہٕ پران "رام" پنجرس (۱)

گِیتا پَران تہٕ ہیتھٕ لَبان

پٔرِم گِیتا تہٕ پَران چھِہٕ

(۵۲)

پَرُن سہل پالُن دوٚر

سہَج کارُن سِکھم تہٕ کرٕوٚٹھ

اَبھیاسِکہ گنہٕ رَسے شاستر مۆٹھم

زٕتین آنند تیٚشیچے گوم

(۵۳)

پَرُن پولُم اَپٔرُے پوٚرُم

کیسر وَنہٕ وولُم رٔٹِتھ شال

پَرس پرٕنُم تہٕ پانس پولُم

اَدٕ گوم مالُوم تہٕ زیٚنِم ہال

(۱) پرٕ پرٕ کرٕان زٕل دو مشدان
بڈ ڈیکھ تٔمہنی اَہمجاد

(۵۱)

پڑھتے ہیں نادان یوں وید کتاب آٹھوں پہر — جس طرح پنجرے میں طوطا رٹ رہا ہو رام رام

ورد گیتا حیلۂ دنیا ہے ایسوں کیلئے

عمر گذری پڑھتے پڑھتے میری لیکن اب بھی میں — پڑھ رہی ہوں غور سے گیتا سمجھنے کیلئے

یعنی کس حد تک عمل پیرا ہوں اس تعلیم پر

ہے وہ بلونا جیسے پانی کوئی ماکھن کے لئے

جس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا بجز کبر و غرور

نوٹ :- "اب بھی گیتا کو پڑھتی رہتی ہوں" اس سے لل کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف اس کے مطالب کی گہرائیوں تک پہنچنے کی متمنی ہے بلکہ عملاً انہیں جزو مشاہدہ بنانے میں معروف ہے۔

(۵۲)

آساں اگر ہے علم تو دشوار ہے عمل — اور پھر تلاش ذات بھی کچھ کم نہیں کٹھن

شغل عمل میں بھول گئی شاستر تمام — حق الیقیں سے پھر بھی ہیں آگاہ ہو گئی

(۵۳)

جو پڑھا میں نے عمل اس پر کیا — اور جو پڑھنے میں نہ آیا تھا پڑھا

لائی جنگل سے میں اک خونخوار شیر — اس کو گیدڑ کی طرح قابو کیا

میں نے اوروں کو جو کچھ تعلیم دی — سب سے پہلے خود عمل اس پر کیا

کیوں نہ ہو جاتی میں آخر کامیاب — راز جب معلوم مجھ کو ہو گیا

(۵۴)

(الف)

مشد چھہ ہٲ شکل کرٕ ژھینیم

ییلہٕ ہینڈٕن گیلُن اَسُن پژاوہٕ

عارٕک جامہ کرٕ سنہٕ وزیم

یئیلہٕ اُندٕریم کھارٕیک روزیم وارہٕ

(ب)

رُتہٕ تہ کرُت سوٗرٕسے پزیم

کَنَن نہ بوزُن اَچھن نہ باوہٕ

اورٕک دٕ پُن بییلہٕ ووہندہٕ وُزیم

زُتن ریپ پژلیم وَرزنہ واوہٕ

(۵۵)

گَال گُنڈی نیم بول پڈی نیم

ڈیی نیم نی یَس بیہ رُوشے

سہَز کُسمَو پوُز کری نیم

بوہٕ امہ لاگنی تہٕ کس کیاہ بوشے

(۵۴)

(الف)

حیا و شرم کی زنجیر کب تک ٹوٹ جائیگی — ملامت طعنہ و تشنیع جب برداشت کر لوں گی
یہ ننگ و عار کا جو پیرہن ہے چاک کب ہو گا — میسر جب سکوں ہو گا مرے اس قلبِ مضطر کو

(ب)

بُرا ہو یا بھلا مجھ پر جو کچھ گزرے گزرنے دے — نہ میرے کان سُن پائیں نہ میری آنکھ کچھ دیکھے
اُدھر کا جب بلا دا جوش زن ہو گا مرے دل میں — چراغِ باطنی طوفاں میں بھی روشن مرا ہو گا

(۵۵)

بدنام وہ کریں مجھے دشنام دیں مجھے
جو چاہیں وہ کریں مجھے جو چاہیں سو کہیں
وہ صدقِ دل سے میری پرستش بھی گر کریں
مجھ پر اثر نہ ہو گا کوئی اس سے زینہار
پھر اس طریقِ کار سے کیا ان کو فائدہ

نوٹ:۔ للّ دُنیا کی ملامت و تعریف سے بے نیاز ہے۔

(۵۶)

لیکہٕ تہٕ ٹھوکہٕ پیٹھ شیرِ ہیرِتھ
نیندا سپنم پیٹھہ بڑو شٹھ تانی
لل چھس کل زانہہ نو ژھینم
ادہ ییلہ سپنس وپہیہ کیا

(۵۷)

آسا بول پڈنم ساسا
مےٚ منہ واسا کھید نا ہیہے
بوہ یدِ سہزہ شنکرہ بکھژ آسا
مکرِس ساسا مل کیاہ پیہے

(۵۸)

موڈ زانتھ پشتھ تہ کور
کول شرتہ وون زڈہ ریچھ آس
یس یہ دپی تس تی بول
یہے تتو ودس چھ ابھیاس

(۵۶)

تھوکا کسی نے مجھ پہ تو گالی کسی نے دی — ماضی سے حال تک یہی حالت مری رہی

پر شوقِ وصلِ حق میں نہ کچھ بھی کمی ہوئی — جب ظرف پُر ہوا اسمیں سمائے کوئی کہاں؟

(۵۷)

کوئی بُرا کہے مجھے دشنام دے ہزار — کرتا ہوں میں خلوص سے شکر کی بندگی

مجھ پر اثر نہ ہوگا کسی بد زبان کا — جمتا ہے میل راکھ کا آئینہ پر کبھی؟

نوٹ:- آئینہ پر راکھ کا میل نہیں جمتا بلکہ اس سے آئینہ زیادہ مجلاّ ہوتا ہے۔

(۵۸)

جاننا بھی ہے یہاں بھولا ہی بن — دیکھتا بھی ہے تو نابینا ہی بن

سُن لے اوروں کی مگر گونگا ہی بن

غیر ذی روحوں کا صورت آشنا — بن کے ان کا رنگ کر لے اختیار

سُن لے جو کچھ کوئی تجھ کو کہہ سُنائے — اور بھر لے اس کی حامی جانِ من

جن عناصر سے بنی ہے کائنات — محرمِ اسرار جو ان کا ہوا

ہے ریاضؔ اس کا یہی ماں بس یہی

نوٹ:- اس سلسلے میں کبیر بھگت کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیے۔

سب سے ہلئے سب سے ملئے — سب کا لیجئے نام

ہاں جی ہاں جی سب سے کہئے — بسئے اپنے گام

(۵۹)

کَنڈ یوٗ اَگرٕ کھ کَنڈہٕ کنڈے

کنڈ یہ اگرٕ کھ کنڈہٕ وِلاس

بھوگے میٹھ دِتھ یتھ کنڈے

اَتھ کنڈہٕ روزہٕ سوٗر نہ تہٕ ساس

سعہ مینہٕ گارُن منٛز یتھ کنڈے

یتھ کنڈہٕ دِیان سعہ رُوپ ناو

لُوب موہ ژٔلی شوٗب یِیی کنڈے

ینیتھی کنڈہٕ نیرِتے سور پرٛکاش

(۶۰)

یوہ تیر ژٔلہٕ رِتم اَمبر ہینتا

کھیود یوہ گکہٕ رِتم آھار اَن

ژِتا سعہ پیرہ وٕیژٲرس ہنیتا

ژینتن یہٕ دیہہ وٕلن کاوَن

(۵۹)

تو اگر کرتا رہے دن رات تن کا ذکر و فکر

اور اسے آراستہ کرنے ہی کے درپے رہے

نعمتوں سے عیش کی اس کی کرے تو پرورش

لیکن آخر راکھ بھی اس کی نہ باقی پائیگا

صدقِ دل سے، شوق سے اس تن میں کر اسکی تلاش

ذاتِ افضل ہے اسی تن میں برابر جلوہ گر

جب نہ غالب آئیں اس پر حرص و شہوت کر دفن

رونقِ بے انتہا پھر کیوں نہ ہو اسکو نصیب

نور و آب و تاب سے معمور یہ ہوگا ضرور

(۶۰)

اوڑھ لے کپڑے فقط سردی سے بچنے کے لئے

کھا غذا اتنی کہ اس سے بھوک مٹ جائے تری

ذات تیری چیز کیا ہے اور ذاتِ حق ہے کیا

اے مرے من اس حقیقت پر تو غور و خوض کر

جانتا ہے کیا کہ آخر میں یہ کس کا حصّہ ہے

یہ وجودِ آب و گل تیرا ہے نخچیرِ کلاغ

(٦١)

نفسی میون چھُے ہوٗنٛ ستُے
اَمی ہٲتی موٗنگنم گرِہ گرِہ بَل
لَچھہ منٛزٕ ساسہ منٛزٕ اَکھا لوٗستُے
نَتہٕ ہیٚتی نم سارٕی تَل

(٦٢)

تریشہِ بوچھہِ مو کرُشِہ ناوُن
یانی ژھیٚپہِ تان سنٛدارُن دِہ
پھِرٕٹھ چوٗن دھارُن تہٕ پارُن
کَر دہ پکارُن سوٗے چھے کرٛیے

(٦٣)

زٕنم پراوِتھ وِبوٗ نا ژھونڈُم
لوٗبن بوٗگن بُژم نہٕ پرٛژَے
سوٗمے آہار سیٚنٹھاہ زونُم
ژولُم دوکھ واو، پولُم دَے

(۶۱)

نفس نے اپنے کیا ہے مجھ کو کیا خوار و ذلیل
ہے طلبگارِ خورش ہر دم یہ مجھ سے مثلِ فیل
بچ کے نکلے اس سے کوئی ہے کسی کی کیا مجال
غالب آ کے کر دیا سب کو ہے اس نے پائمال
بچ کے نکلا اس کی زد سے کوئی ہو لاکھوں میں ایک

(۶۲)

ستائے بھوک، تو اس جسم کو کھانا کِھلا دینا
اسے تو بھوک سے یا پیاس کے مارے نہ تڑپانا
ترا روزہ ترا افطار شایانِ ملامت ہے
بھلائی سب سے کر لے، یہ عمل مرغوب ہے بے شک

(۶۳)

زندگی پا کے رہی کب طالبِ شان و شکوہ
خواہشاتِ نفس اور لالچ سے میں بچ کے رہی
کھانے پینے میں رکھا مد نظر ہے اعتدال
اور یہ سمجھی کہ کافی ہے یہی میرے لئے
کر لیا برداشت میں نے مفلسی کا دکھ درد کو
اور کی پوجا فقط اس مالکِ مختار کی

(۶۴)

کھێنہٕ کھێنہٕ کران کُن نَو واتکھ
نہٕ کھێنہٕ گژھکھ اہنکاری
سۄمُے کھێیہ مالہِ سۄمُے آسکھ
سَمی کھێنہٕ مُژرَنے برنێن تاری

(۶۵)

کھێتھ گنڈتھ شێمہ نا مانَس
براںٔتھ یِمو تراو تِمے گَے کھسِتھ
شاسترٕ لۄزتھ چھُہ یمہٕ ۔ ہیہ کُرور
سُہ نا پۄژ تہٕ دِیُٔی لٔبِتھ

(۶۶)

ہێتھ کرِتھ راج پھیرِ نا
دِتھ کرِتھ ترپتی نا مَن
لُوب وِنا زِیو مَرِ نا
زِیوَنت مَرِ تا سُے چھُے گیان

(۶۴)

تجھ کو کچھ حاصل نہ ہوگا زینہار | خورد و نوش پے بہ پے سے رات دن
اور اگر پابندِ روزہ ہی رہے | تجھ پہ غالب آئیگا نخوت، غرور
کھانے پینے میں ہے جائز اعتدال | زندگی کا یہ بنا اپنا اصول
اس عمل سے بالیقیں تیرے لئے | بند دروازے سبھی کھل جائینگے

(۶۵)

نعمتوں سے کھانے پینے کی کبھی | من کی شانتی ہاتھ آنے کی نہیں
چھوڑ کر موہوم اُمیدوں کو جو | خوش رہے، حاصل ہوا ان کو عروج
شاستر پڑھ سُن کے انسان کو بہت | موت آتی ہے نظر بس ہولناک
ایک کوڑی عیش و عشرت کے لئے | مل سکی جن کو نہ قرضے پر کبھی
ہر بلا سے ایمن و محفوظ ہیں | اور سعادت و سکوں سے ہمکنار

نوٹ :- خواہش کو ایک سود خوار سے تشبیہہ دی گئی ہے جو تنعم کے لئے قرضہ دیتا ہے اور اصل زرمعہ سود کی واپسی کے لئے تقاضا کرنے میں سخت گیر ہے۔ وہ قانع شخص بلاشبہ مسعود ہے، جس کو وہ قرضہ دینے سے انکار کرتا ہے۔

(۶۶)

حکومت سے سکون و صبر ہرگز پا نہیں سکتا | قرار اس دل کو ترکِ سلطنت سے آ نہیں سکتا
اگر انسان بری لالچ سے ہو تو مر نہیں سکتا | اگر زندہ ہی مرجائے تو عارف در حقیقت ہے

نوٹ :- یہاں ترکِ خواہشات کی تعریف میں کہا گیا ہے۔ کامگاری حاصل کرنے یا محض ترکِ قدرت و اختیار سے سکون حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان یہ نہ سمجھے کہ زندہ رہتے ہوئے بھی وہ مُردہ ہے یعنی خواہشات سے لاتعلق۔ اس کو گیان سے شناسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔

(٦٧)

(الف)

کُس مَرِ تہٕ کسُ مارَن

مَرِ کُس تے مارَن کَس

یُس ہَرہٕ ہَرہٕ تراؤتھ گرہٕ گرہٕ کرَے

اَدہٕ شُہ مَرِ تے مارَن تَس

(ب)

گوٗرہٕ شبدَس یُس یژھ یژھ برَے

گیانہٕ وگہٕ رٕٹہٕ ژِبتہٕ توٗرگَس

یینِدرِیے شوٗ مرِتھ آنند کرے

اَدہٕ کُس مَرِ تے مارَن کَس

(٦٨)

رٕشیل تہٕ مان چھُے پوٗنی گرٕ ژھجے

موٗ چھِہ ییمہٕ رُوٗٹ مُلہٕ یُدٕ واو

ہوٗست یُس مست والہ گنڈے

رٕتی یِیس تگیہ تاٗسے سُہ ادہٕ نِہالِ

(۶۷)

(الف)

مرے گا کون؟ کس کو مار ڈالیں گے؟ بتا مجھ کو

بُھلا کر نامِ حق گھر کے مشاغل میں جو اُلجھا ہے   مریگا وہ اسی کو مار ڈالینگے یقین جانو

(ب)

قولِ مرشد پر جو ایمان لائیگا   اور بہرہ معرفت سے پائے گا

نفس کے گھوڑے پہ ہوگا جو سوار   'اندریوں' پہ جس کو ہوگا اختیار

پائیگا جمعیتِ خاطر سے عوُن   مر نہیں سکتا، اسے ماریگا کون؟

(۶۸)

شہرت و عزت ہے کیا چھلنی میں پانی کے سوا

ہاں جو طاقت آزما، طوفان کو مٹھی میں لے

باندھ لے پیلِ دماں کو اپنے سر کے بال سے

جس سے یہ سب ہو سکے بیشک ہوا سمیں کامیاب

نوٹ:۔ مطلب یہ ہے کہ دنیاوی شہرت خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ہاں اگر انسان نفسِ امارہ (یعنی پیلِ دماں) اور 'من' کے طوفانوں کو قابو کرے تو حقیقی معنوں میں طاقتور کہلائے اور نام پائے۔

(۶۹)

زٕل ہتھہٕ ن ہتواہ ترٕہ ناوُن
وُوردوا گمٕن پیمرِو ژٲرِتھ
کاٹھہٕ دینہٕ دود ششرٕ ماوُن
اَنتہٕ سکوٗل کیپٕٹھ ژٲرِتھ

(۷۰)

ییمہ لوٗب مَنمتھ مد ژوٗر موٗرن
دِتہٕ نا شہ مآرِتھ نہٕ لوگن داس
تمہٕ سہز ایشور گورُن
تمہٕ سورُے دیونٛدُن سہ داس

(۷۱)

مارُکھ مارہ بوتھ کامہ کرُودلوٗب
نتہٕ کان بٔرِتھ مارِنے پان
مَنے کھیٚن دِکھ سہ ویژارہ شم
وِشے تہند کیاہ کیتھ دُروزان

ورنامہ میں
عتہ مارن نہ
نہ لاگن داس
صاحبس گمان نہ
دینہ ن سو اس
(۲۱۶)

روک لینی آئے گر جوئے رواں — یا بجھانی آئے نارِ شعلہ زن

چلنا آئے گر تجھے بالائے چرخ — اور لینا گائے سے لکڑی کی دودھ

شعبدہ بازی فقط ہے یہ تمام

نوٹ:- یوگ میں مہارت حاصل کرنے یا یکسوئی قلب سے اظہارِ خوارق ممکن ہے لیکن اسکی وقعت ایک جادوگر کے کھیل سے زیادہ نہیں۔ سچا یوگی ایسے کشف و کرامات کو بنظرِ حقارت دیکھتا ہے۔ وہ صرف ایسے یوگ کا بندہ ہے جس سے وہ خودشناسی کا علم حاصل کر کے ذاتِ حق میں محو ہو جاتا ہے۔

(۷۰)

حرص و شہوت اور تکبر تین ہیں رہزن بڑے — لوٹتے رہتے ہیں جو نوعِ بشر کو بار بار

زیر کر کے جو دلیری سے انہیں کر دے ہلاک — اور پھر جو شوق سے ہو خلق کا خدمتگزار

سچے معنوں میں وہی ہے طالبِ ربِّ علا — ما سوا اسکی نظر میں ہے فقط مشتِ غبار

نوٹ:- اصلی سادھو یا سنت وہی ہے جو انکساری اور محبت اختیار کر کے سب کا خادم بنے۔

(۷۱)

حرص و شہوت اور غضب قاتل ہیں تینوں ترے — ہے اگر ذی ہوش ان تینوں کا کر دے خاتمہ

ورنہ اپنے تیروں کا تجھ کو بنائیں گے شکار

محو ہو کر دھیان میں دے صبر کی ان کو غذا — تاکہ ہوں تسکیں پذیر و بے نیازِ اشتہا

جان ان میں پھر نہ کچھ باقی رہیگی بالیقیں — پھر تجھے معلوم ہوگا کتنے ہیں یہ ناتواں

نوٹ:- تیروں سے مراد دنیاوی ترغیبات ہیں۔

(۲)

رنگس منز چھے بیون بیون لبُن
سودُرے ژالکھ برکھ سۄکھ
ژکھ رشں تہٕ وَیر گالکھ
اَدہٕ ڈیشکھ شوٗ سند موکھ

(۳)

لُب مارُن سہز ویژارُن
دروگ زانُن کلپن ژاو
نشہٕ چھے تہٕ دُورمو گارُن
شونیس شونیاہ میلتھ گَو

(۴)

یَر آسے پان ییمی سوٚم مون
ییمی ہیوٗ مون دین کیہو راتھ
ییمی سہی اَدُرے من سآمن
تیمی ڈیوٗ ٹھے شرہٕ گرہٕ ناتھ

(۴۲)

ہر روپ میں نمود ہے اسکی جُدا جُدا پا جا اُسے جو ہوش ہے اے مرد با خدا
ہر حال میں تو صبر و تحمل سے کام لے آرام پانے کی یہی صورت ہے برملا
تجھ میں اگر ہے نفرت و کینہ و دشمنی ہمت سے اپنی دم میں تو کر دے انہیں فنا
دیدار تجھ کو ذات کا ہوگا نصیب پھر

(۴۳)

ترک کر حرص و ہوا ترک کر یہ ما سوا
دیکھ اُس کے نور کو نور ہی میں ڈوب جا
وہ بہت نایاب ہے وہ بہت ہے بے بہا
ہے وہ تیرے ہی قریب ڈھونڈتا ہے دور کیا
وہ خلا ہے یا ملا کچھ نہیں اس کے سوا

نوٹ:- خلا سے مُراد یہاں ظاہری دنیا ہے۔

(۴۴)

یگانے اور بیگانے کو جس نے ایک سا جانا
نہیں جس کی نظر میں امتیازِ روز و شب کچھ بھی
دوئی سے دِل ہوا آزاد جس کا دارہستی میں
وہی اس شاہِ شاہاں کا ہے بس پہچاننے والا

نوٹ:- دن سے مطلب شادمانی کا دن اور رات سے مطلب غمگینی کی رات ہے۔

(۷۵)

ناتھ! نا پان نا پَر زونُم
سدآے بودُم یِہ کہ دِہ
ژٕ بوہ بوہ ژٕ مِیُل نو زونُم
ژٕ کُس بوہ کوسہٕ چھُہ سندِہ

(۷۶)

شِو شِو کرَان ہمسہ گتھ سوٗزِتھ
رُوزِتھ وَیوہارِ دیٚن کیا وُ راتھ
لاگہِ رٔوست اَدُے لیُس مَن کرِتھ
تٔسی نیٚتھ پرٕسَن شُرہ گرٕہ ناتھ

(۷۵)

حاصل ہوا عرفان نہ تیرا نہ خود اپنا — دُکھ جسم کو ہر چند دئے نفس کشی سے

'تو میں ہے' کہ 'میں تو ہوں' یہ اسرار نہ سمجھی — کس طرح سے دو ہوتے ہیں آپس میں مدغم

'تو کون ہے' 'میں کون ہوں' گفتار یہ کیسی — اس قسم کی گفتار بھی شک سے نہیں خالی

نوٹ :- لل کہتی ہے کہ اس نے ریاضت کے وسیلے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں اپنے جسم کو سخت اذیت پہنچائی۔ جس کی درحقیقت کوئی ضرورت نہ تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ اپنی اور دوسرے کی اصلیت کو پہچان لے ——— نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اپنی ذات کو خدا کی ذات میں گم کرنے کی پہچان ہے۔ یہ کہنا کہ 'میں کون ہوں' اور 'وہ کون ہے' اس معرفت کے بارے میں شک کرنا ہے۔

(۷۶)

شِو کے نام پاک کو جپتے ہوئے — چال رکھے ہنس کی مدِّ نظر

کاروبارِ دنیوی میں رات دن — محوجہ رہتا ہو دل اور جان سے

من کو بالاتر دوئی سے جو رکھے — اور ہو بس قائلِ ذاتِ احد

ہاں اسی پر رہتا ہے وہ مہرباں — دیوتاؤں کا بھی جو ہے دیوتا

نوٹ :- 'ہنس' کا طرزِ عمل مشہور منتر 'سوہم' کا پُر اسرار نام ہے۔ 'سوہم' کے معنی ہیں: 'میں وہ ہوں'۔ سنسکرت حروف میں اگر 'سوہم' کو اُلٹایا جائے تو 'ہمسہ' بن جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں 'ہنس'۔ مردِ مومن کو چاہیئے کہ روزانہ فرائض ادا کرنے پر پھل پانے کا کوئی خیال نہ رکھے۔ 'ہمسہ' اکثر 'شو' سے منسوب کیا جاتا ہے جو 'سہسرارا' میں متمکن ہے اور انفرادی روح سے الگ نہیں۔ دوئی سے آزاد من وحدت الوجود اور اپنی ذات میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔

(۷۷)

کنٛدیوٗ گیہ تیٚنزٕ کنٛدیوٗ وَن واس

وِیچھوٗل مَن نارِٹھ تہٕ داس

دِین راتھ گٔژھ رِتھ پٮ۪ٹھ شوٗاس

رٕتھۍ چھکھ تہٕ رٕتھۍ آس

(۷۸)

کلَن کالہ زأژ یوٗد وٕے ژٕ گوٗل

وٕنیندرِ گِیہ دٔ بٕنیندرِ وَنواس

زأنِتھ سرٕ وگنتھ پرٕ وٕبو اَموٗل

رٕتھۍ زانِکھ رٕتھۍ آس

(۷۷)

گھر بار کوئی چھوڑ دے　　بن باس سے منہ موڑ دے
من پر اگر قابو نہیں　　کیونکر نہ وہ چنچل رہے
دن رات رکھ انفاس کا　　مدِ نظر یہ سلسلہ
جیسا ہے تو ویسا ہی رہ

نوٹ :- بعض لوگ نجات حاصل کرنے کی غرض سے گھر بار چھوڑ دیتے ہیں اور صحرا نشینی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بعض اسی خیال سے صحرا نشینی سے بھی کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور پھر خانہ دار بن جاتے ہیں۔ لیکن جب تک انسان اپنی ذات سے تعلق اسرار کی حقیقت سمجھنے میں مصروف رہے۔ اس بات کا مضائقہ نہیں کہ وہ کہاں رہے۔ ریاضت گزار کے لئے ہر نفس کے آتار چڑھاؤ میں اُسی کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔

(۷۸)

ختم ہوں تیری اگر سب خواہشات　　وقت کی رفتار ہی کے ساتھ ساتھ
چاہے تو پھر تارک الدنیا بنے　　یا متاہل زندگی کا دم بھرے
حق کو سمجھے حاضر و ناظر مگر　　اور مقدس و منزہ، لازوال
یعنی جیسا تو سمجھ پائے اُسے　　ویسا ہی بن جائیگا تو لاکلام

نوٹ :- انسان خواہ گرہستی ہو خواہ تارک الدنیا۔ اس سے بحث نہیں۔ خواہشات سے آزاد ہونے اور اپنی ذات کو معرفت حاصل کرنے ہی سے اس کو نجات مل سکتی ہے۔ اسی معرفت سے اسکی روح ذاتِ حق کی اصلیت سے وابستہ ہو جاتی ہے اور آخرکار اسی میں جذب ہو جاتی ہے۔

ژِدا نندس گیانہ پرٛکاشس
یِمَو ژٕیُون تِم زِیوٕنتی موہ کھٕت
وِشیٚمِس سمسارِس پاشیٚس
ابوٗدی گنڈاہ شیٚتھ یشیٚتی دِ ق

(۹)

جن کو آگاہی ہوئی دنیا میں چِت اور گیان سے

اور ہیں نور و سرور سرمدی کے رازدار

چھوٹ جاتے ہیں وہی آواگوں کے دام سے

کسقدر ناداں ہیں وہ جو اس جہاں کے جال میں

خود اُلجھ جاتے ہیں اسمیں ڈال کر سو سو گرہ

نوٹ :- 'چِت' - قوتِ فکر - من + 'گیان' - شعور و ادراک - احساس عرفاں + 'پرم شو' - ذاتِ افضل -

اس 'پرم شو' کے دو پہلو ہیں - شوتتو اور شکتی تتو - شوتتو سے مراد ہے - پاکیزہ روحِ حیاتی اور نورِ ادراک - شکتی تتو سے مطلب ہے سعادتِ ابدیت' ذاتی اطمینان اور سکونِ کامل - پاکیزہ روح حیاتی اور سعادتِ ابدیت کے تصوّر اجتماعی ہی سے ذاتِ مطلق کا تصوّر پیدا ہوتا ہے ریاضت گزار کا مدّعا اسی کی معرفت اور اس بات کا احساس پیدا کرنا ہوتا ہے کہ اس کا جلوہ عالمگیر ہے - ناداں وہ ہیں جو اس معرفت سے محروم ہیں اور اس لئے بار بار جنم لیتے ہیں -

(۸۰)

لوٗکٕ نار لٔلہِ لوٗلہِ لٔلہِ نوٗوم
مَرِ تَے موٗلِس تہٕ رُوٗزِس نٕہ زَرَے
رنگہِ رٔژھ ذاتٕسی کیاہ نٕہ رنگٕ ہوٗوم
بو دُپُن ژوٗلُم کیٛاہ سَنہٕ کرَے

راوِنٕہ منٛزٔرَے راوُن روٗوم
راوِتھ اَتھ آیِس بھوٗہ سَرَے
اَسان گِندان سٔہزٕ ہی پروٗوم
دیٖپہ نے کوٗرُم پانَس سَرَے

(۸۱)

لولِکہِ وُہ کھیلہِ وٗ اَرلٔنج پٔشم
کوٗکُل ژٔجِم تہٕ رُوٗزٕس رٔسہ
بُزٕم تہٕ زاژِم پانَس ژٔشم
کوٗہ زانہ توٗہ سیتی مٔرہ کِنہٕ لسہ
بوٗے نامیوٗلِس تہٕ بوٗے نا مَرہٕ
ئیلہِ اَچھو ڈیٛشہٕ تہٕ کنوٗ بوزٕ

(۸۰)

تن بدن میں اپنے نارِ عشق کو — میں نے سہم آغوشِ صبرِ دل کیا

پا گئی مرنے سے پہلے ہی وفات — گم فنا میں کر چکی اپنی بقا

ذات میری اصل میں بیرنگ تھی — رنگ اسمیں ہر طرح کا بھر دیا

"میں ہوں" کہنے سے ہوئی میں دست کش — اس سے بڑھکر اور کر سکتی میں کیا

گم ہوئی گم گشتگی میں کیا کہوں — گم یہ ہونا بھی تماشا ہو گیا

کر کے گم خود آپ کو اس دہر میں — جلوہ میرا پھر ہوا ہے رونما

ہنستے ہنستے کھیلتے پھر شوق سے — ذاتِ حق سے جا ملی میں برملا

بات یہ تحقیق اپنے حق میں کی — پا گئی میں دل کا اپنے مدعا

(۸۱)

دل کو پیسا کھرل میں جب عشق کے — خواہش بد مٹ گئی، آیا قرار

نذرِ آتش کر کے تب چکھا اسے — اس عمل سے کب پتہ چل جائیگا

زندہ رہنا ہے کہ مرنا ہے مجھے

دیکھکر آنکھوں سے سن کر کان سے — جب میں ہونگی اصلیت سے ہمکنار

کب مری میں اور کب مرجاؤنگی ؔ

ؔ میں نے دیکھا اور جو میں نے سنا — آشکارا اس کو جب میں کر سکوں

تب میں زندہ، زندۂ جاوید ہوں

(۸۲)

یوٚت زوٚنہٕ دوقِھتھ موٚت بوٚلہ نوٗدُم
دگ للہٕ ناوٚم توٚبیہٕ ہشرِہ پرہٕ ہے
لٔلی لٔلی کران لالہ وزہٕ نوٗدُم
میلِتھ تَس مَن شرٚوژیوم دٔ ہے

(۸۳)

شہ وَن ژٕٹھ شیشہ کَل وُزِم
پٕرٕ کرٕتھ ہتونترٕم پیٹھنہٕ سیتی
لولہٕ کِہ نارٕہٕ واٚلٕنج بُزُم
شینکَر لوٚبُم تمی سیتی

(۸۲)

رات کے پچھلے پہر وقتِ غروبِ ماہتاب — اس دِل دیوانہ کو میں نے بہت سمجھا دیا
ذوقِ عشقِ حق سے اس غمدیدہ کو بخشا سکوں — لل ہوں میں ہاں لل ہوں میں یہ دیتی رہی ہم صدا
اسطرح میں نے جگایا اپنے اس محبوب کو — جس سے مل کر پاک میرے ہو گئے یہ دس قویٰ

نوٹ :- وقت غروبِ ماہتاب سے مراد ہے علی الصباح یعنی جہل کی شب تاریک کا اختتام۔ دِل دیوانہ سے مراد 'من' ہے جو دنیا کی مایا سے مست اور پاگل ہے محبوب سے مراد لل کی اپنی ذات ہے جس کو ذاتِ حق کے ساتھ ایک ہونے کی معرفت حاصل کرنے کے لئے وہ جھنجھوڑتی رہی۔

(۸۳)

میں آئی کر کے طے چھ جنگلوں کو اپنی ہمت سے — اجاگر کر لیا اس طرح میں نے چھ 'کلاؤں' کو
نفس سے میرے دب کے رہ گیا عالم ہوئے اکا — میں نارِ عشق میں دِل کو جلا کر اپنے اٹھی ہوں
اسی طرزِ عمل سے پالیا ہے اپنے شنکر کو

نوٹ :- انسان کے جسمِ روحانی میں چھ چکر یعنی شکتی کے چھ مقام ہیں جو اس کو ظاہری کائنات میں عمل کرنے اور اس کو حقیقی سمجھنے کے لئے اُبھارتے رہتے ہیں۔ عرفان حاصل کرنے سے پہلے ان پر قابو پانا ضروری ہے۔ لل اس عمل کو چھ جنگلوں کو طے کرنے سے تشبیہہ دیتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ انسان کے سر میں ایک جوف ہے۔ جس میں ایک پُر اسرار چاند پایا جاتا ہے اور یہی ذاتِ افضل شو کا مقام ہے۔ جب صوفی ان چھ چکروں پر قابو پاتا ہے تو وہ اس چاند سے روشناس ہوتا ہے اور شو کی ذات میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ قدرت صوفی کو حبسِ نفس سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا محرک انتہائی جذبۂ عشق ہے۔ 'کلا' جزو کو کہتے ہیں۔

(۸۴)

دٔمی ڈیُوٹھمُ شبنم پیٚوان

دٔمی ڈیُوٹھمُ پیٚوان سُور

دٔمی ڈیٖٹھم اَنہٕ گٹہٕ راتَس

دٔمی ڈیُوٹھمُ دوہَس نوٗر

دٔمی اَسہٕ لوہٕ کٹھ کوٗراہ

دٔمی سپہٕ نُس جواناہ پوٗر

دٔمی اَسہٕ پھیران ہٕقوٗران

دٔمی سپہٕ نُس دٕزِتھ سوٗر

(۸۵)

دٔمی ڈیٖٹھم نَد وَہٕ وٕنی

دٔمی ڈیُوٹھمُ سُم نہٕ تہٕ تار

دٔمی ڈیٖٹھم تھٕر پھولہٕ وٕنی

دٔمی ڈیُوٹھمُ گُل نہٕ تہٕ خار

(۸۴)

دم میں جمتی شبنم دیکھی دم میں دیکھا پڑتا پالا

دم میں دیکھی رات اندھیری دم میں دیکھا دن کا اجالا

تھی میں اک کمسن سی دختر دم میں جوانی کو جا پہنچی

چلتی پھرتی تھی میں اب تک ہو گئی جل کر راکھ کی ڈھیری

---

(۸۵)

ابھی ایک ندی تھی بہتی ہوئی

ابھی چارسو عالمِ آب تھا

جو دیکھا تو پُل تھا نہ ساحل کہیں

نہ تھا سیل دم میں نہ وہ جوئے آب

ابھی ایک جھاڑی تھی پھولوں سے پُر

ابھی پھر جو دیکھا نہ گل تھا نہ خار

(۸۶)

دِمی ڈِیٹھم گیج وَرَہ دِنی

دِمی ڈِیوٹھُم دہ نہ تہ نار

دِمی ڈِیٹھم پانڈوَن ہِتر ماعِجی

دِمی ڈِیٹھم کراعِجی ماس

(۸۷)

گاٹلاہ اکھ دُ چھُم بوچھ سیتی مَران

پَن زَن ہَران پیٹھ ہَنہ واوہ لہ

نیَتھی بوہ دا اکھ دُ چھُم وازس ماران

تَنہ لَل بوہ پزاران ژھینیم ناپراہ

(۸۶)

میں نے دیکھا ایک چولہے میں تھی آتش شعلہ ور
دم میں دیکھا آگ اس میں تھی نہ باقی کچھ شرر

تھی ابھی ماں پانڈوؤں کی میرے آگے جلوہ گر
دم میں تھی خالہ کمہارن کی مرے پیشِ نظر

نوٹ:- پانڈو راجے تھے اور ان کی ماں کنتی مہارانی تھی۔ ایک دفعہ وہ فریب و دغا کا شکار ہو کر نہایت تنگدست اور خستہ حال ہوئے اور بھوکے پیاسے سرگرداں رہے پھرتے پھرتے آخر ایک شہر میں جا پہنچے۔ یہاں ان کو ایک کمہار کے گھر میں پناہ ملی کمہارن اور اس کے بچے مہارانی کنتی کو خالہ کہکر پکارتے تھے۔

(۸۷)

میں نے اک دانا کو دیکھا بھوک سے مرتے ہوئے
جیسے پت جھڑ میں ہوا سے گرتے ہیں برگِ شجر

ایک ناداں شخص کو دیکھا کہ ہو کر ترش رو
بیٹھا تھا اپنے باورچی کو بے خوف و خطر

ہو کے بد دل منتظر رہتی ہوں اب اس دن کی لل
چھوٹ جائیں مجھ سے اس دنیا کے بندھن سربسر

نوٹ:- مطلب یہ کہ انسان کی دانائی اس کو فاقہ کشی سے نہیں بچا سکتی نہ ہی اس کو موت سے مفر ہے۔ ایک بیوقوف شخص جو دولتمند اور آسودہ حال ہے اس کو صرف اس بات کا رنج ہے کہ اس کا باورچی اس کے حسبِ منشاء کھانا نہیں بناتا۔ اس لئے وہ اس کو بیرحمی سے مارتا ہے۔ دنیا میں ان بے انصافیوں کو دیکھکر لل آرزوئے حیات سے چھٹکارا چاہتی ہے۔

(۸۸)

کیٛنٛژَن دِتُھکھ گُلالہٕ یٔرٕژی
کیٛنٛژَن زوٗنھ ہُنہٕ دِنَس وار
کیٛنٛژَن ژھینٛتھکھ نالہٕ برٕمہٕ ہٕرٕژی
بھگوانہٕ چھانہٕ گژھ نمسکار

(۸۹)

کیٛنٛژَن دِیُتھکھ اورٕ سے آلوَ
کیٛنٛژَو رٕچھاپہِ نالے وٕتھ
کیٛنٛژَن اُچھی لجہٕ مَس چیتھہٕ تالوَ
کیٛنٛژَن پِیُتھ گےَ ہالوَ کھیتھ

(۸۸)

دیے بعضوں کو تو نے لالہ و گل
رکھا بعضوں کو کلیوں سے بھی محروم
کسی کو لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں
عجب ہے شان تیری ربِّ قیوم

(۸۹)

کچھ تو وہ ہیں جن کو آئی غیب سے تیری ندا
اور کچھ وہ ہیں کہ ہم آغوشِ دریا ہو گئے
پی کے مے آنکھیں کسی کی جم گئی ہیں سوئے بام
اور کسی کی پختہ فصلیں کھا گئی ہیں ٹڈیاں

(۹۰)

کیشرٕن رٕنہٕ چھے شٲہج بوٗنی
نیرِو نیٚبر شٲہُل کرِو
کیشرٕن رٕنہٕ چھے برٕ پیٚٹھ ہوٗنی
نیرِو نیٚبر تہٕ زنگ کھیٚتیہ وو
کیشرٕن رٕنہٕ چھے اَدل تہٕ ودل
کیشرٕن رٕنہٕ چھے زدل ژھالے

(۹۱)

کیٚنژھ چھِی نیٚنڈرِ ہٲتی وُدِی
کیشرٕن وُدیٚن نیٚسر پیٚتِی
کیٚنژھ چھِی سنان کرِتھ اُپتی
کیٚنژھ چھِی گیہہ بٔزِتھ تہٕ اکزِی

(۹۰)

بیویاں بعضوں کی ہیں مثلِ چنارِ سایہ دار
مایۂ تفریح ہیں وہ لطف ان سے پائیے

بیویاں بعضوں کی گویا مادہ سگ ہیں پیش در
جائیے ملنے تو آئیں کاٹ کھانے کے لئے

بیویاں ہیں بعض وجہ اختلال و انتشار
بیویاں کچھ جیسے نور و سایہ کا ہو امتزاج

(۹۱)

کچھ تو وہ ہیں نیند میں بیدار آتے ہیں نظر
کچھ تو وہ ہیں جاگتے بھی ہوں تو محوِ خواب ہیں

کچھ تو وہ ہیں جو نہا دھو کر بھی ہیں ناپاک ہی
اور کچھ وہ جو پھنسے ہیں گھر کے دھندوں میں مگر

پھر بھی رہتے ہیں عمل سے لاتعلق بے نیاز

نوٹ :۔ نیند سے 'مایا' کا خواب اور ناپاکی سے روح کی ناپاکی مراد ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی جسم فرض انجام دینے کا پابند بھی ہو، پھر بھی روح آزاد رہ سکتی ہے ۔

(۹۲)

گرٕٹہ چھُہ پھیران زیرے زیرے
اَوٕہمگُے زانہٕ گرٕٹک ژھل
گرٕٹہ ییٚلہٕ پھیرِ تَے زاوٕیُل نیرے
گُوداتہٕ پانَے گرٕٹہ بل

(۹۳)

یَتھ سَرَس سِرِی پھوٚل ناوٚیژی
تَتھ سَرِہ سَکَلی پوٚنی چیٚن
مرٕگ سرٕگال گُنڈٕی زلہٕ ہُستی
زیٚن نا زیٚن تہٕ توٚتُے پیٚن

(۹۲)

لائیں حرکت میں تو چکی گھومتی ہے زور سے
واقفِ نیرنگ ہے لیکن فقط اس کا مدار
یہ چلے تو ہوتا ہے باریک آٹا دستیاب
خود بخود گیہوں پہنچ ہی جاتا ہے اس کے قریب

نوٹ :- مطلب یہ کہ جب انسان منزلِ مقصود تک پہنچنے کے درپے رہے تو وہ وہاں پہنچ ہی جائے گا۔

(۹۳)

جس جھیل میں مجال ہے تل بھر سما سکے
بجھتی ہے پیاس سب کی پھر ایسی ہی جھیل سے
گرتے ہیں پیدا ہوتے ہی سب اسمیں بار بار
گینڈا، ہرن ہو یا ہو شغالِ بہانہ ساز
بچتا نہیں ہے اس سے سمندر کا فیل بھی

نوٹ :- ذاتِ کُل کے مقابلے میں کائنات کی کچھ حقیقت نہیں۔ پھر بھی نادان اس کو ایک عجوبہ سمجھتے ہیں اور اس سے حظ اٹھاتے ہیں۔ زندگی بھی ازل کے مقابلے میں دم بھر سے زیادہ حقیقت کی حامل نہیں۔ دراصل غیر نجات یافتہ روح جس صورت میں بھی وجود میں آئے ازل کے نقطہ نظر سے دم بھر کیلئے ہی زندہ رہتی ہے اور مرتی ہے اور بار بار جنم لیتی ہے۔

(۹۴)

ترِیِیہ نِینگہ سَراہ سُری سَرَس

اَکہ نِینگہ سَرَس اَرشَس جاے

ہر مولِھ کوسرہٖ اَکھ سُم سَرَس

سَتہ نِینگہ سَرَس شِیتیا کار

(۹۵)

کُس ڈِنگہ تہٖ کُس زاگہ

کُس سَر وَترہٖ تیلی

کُس ہَرَس پُوزہٖ لاگہ

کُس پَرَمہ پَد میلی

(۹۴)

میں نے دیکھی جھیل، اک سیلاب ہے پر تین بار — اک دفعہ دیکھا فقط تھی عرش پر جائے قیام
اک دفعہ ہرمکھ سے کوثر تک بھی دیکھا ایک پل — جھیل یہ نابود ہوتے دیکھ لی پھر سات بار

نوٹ :- عرفانِ کامل حاصل ہونے پر لل نے نہ صرف شہرت حاصل کی بلکہ اسے پچھلے جنموں کو یاد کرنے پر بھی قدرت حاصل ہوئی۔ جھیل سے مراد ہے کائنات اور لبریز ہونے سے اسکی جزوی تخریب۔ ان تخریبوں میں سے تین کا واقع ہونا اسے یاد ہے جب صرف عرش ہی ایک ایسی جگہ ہو جو موجود رہے تو یہ تخریبِ عظیم ہے۔ ایسی تخریبوں میں سے اسے ایک کی یاد آرہی ہے۔

شمال میں ہرمکھ پہاڑ کی چوٹی اور جنوب میں کوثر کی جھیل کے درمیان وادیٔ کشمیر واقع ہے۔ کہتے ہیں۔ ابتداء میں یہ وادی ایک جھیل تھی جس میں سے کئی زمانوں کے بعد کشپ ریشی نے زمین نکالی۔ اور ہرمکھ سے کوثر تک کشمیر کی وادی بنائی۔

(۹۵)

کون ہے بیدار یا رب کون محوِ خواب ہے — کون سی ہے جھیل جس سے قطرہ قطرہ دمبدم
بہ نکلتا آب ہے کھا کھا کے صدہا پیچ و تاب؟
چیز کیا ہے جس سے انسان شِو کی پوجا کر سکے — ہو رسائی تیری جس تک کونسا ہے وہ مقام
وہ مقامِ برتریں پاکر جسے ہو کامیاب؟

•

(۹۶)

مَن ڈِنگہِ ئۃ اَکوہ ل زاگہِ

داوڑی سَرِ پچھیہ پِنڈی وَترِہ تیلی

سعو وَیژ ارِہ پونحہ ہَرس پُوزِہ لاگہِ

پَرمہ پَد ژِیتتہ شِو میلی

(۹۷)

شِو گرہ تاعے کیشو پچمنسَ

برمہا پاپیرین وہ لیبَس

یوگی یوگہ کلہِ پَرزاینسّ

کِس دِیوہ اَشوار پنیٹھ چیڈلیس

(۹۶)

ہے اکل، بیدار دائم من ہی محوِ خواب ہے جھیل ہیں پانچ اندریاں جن سے نکلتا آب ہے
جس سے پوجا ہر کی ہو وہ ذات کی پہچان ہے برتریں منزل مقامِ روحِ اعظم جان لے

نوٹ :- 'کل' ... کے معنی ہیں خاندان جو ذاتِ برتریں سے قطع نظر بقائے ذات کے تجربے کے لیے مندرجہ ذیل لوازمات پر مشتمل ہے :- (۱) انفرادی روح (۲) پرکرتی یعنی ذاتِ مجازی جس پر روحِ انفرادی کا عمل ہوتا ہے اور جس کا اس پر ردِ عمل ہوتا ہے۔ (۳) مکاں یعنی قیدِ مکاں کا تصور (۴) زماں یعنی قیدِ زماں کا تصور اور (۵) عالمِ احساسات کے پانچ عناصر (۱) انجماد یعنی پرتھوی یا خاک (۲) حالتِ سیالی یعنی آب (۳) حالتِ تشکیلی یعنی آتش (۴) حالتِ ہوائی یعنی باد (۵) حالتِ اثیری یعنی آکاش۔ جب روح ان سے بالاتر ہو جاتی ہے اور اپنی ذات کو بے پایاں ذاتِ افضل کے ساتھ یکساں ہونے کی شناسائی حاصل کرتی ہے تو اس وقت وہ سعادت مندی سے ہمکنار ہوتی ہے یا جیسا لل کہتی ہے۔ بیدار ہو جاتی ہے۔

(۹۷)

شو ہے گھوڑا اور وشنو زین پر ہے متمکن برہما کی ہے رکاب زین میں لیکن نشست
یوگی خود اپنے عمل سے جانتا ہے یہ کہ کون دیوتا ہے وہ کہ ہوگا اس کا آخر شہسوار

نوٹ :- 'شو' سے مراد یہاں 'شوتتو' ہے۔ یعنی کائنات میں ذاتِ افضل کی اولین صورت۔ یوگی جانتا ہے کہ یہ ذاتِ کامل کی اصلیت کا ظہور ہے وہ گویا ایک گھوڑا ہے جس پر ذاتِ کامل سوار ہے۔

(۹۸)

اناہنتھ کھُ ہسوٕ ڙیچھ شُنیا لے

یَس ناوٕ نہ ورِن نہ گُٹھرِتہ ڙیچھ

اَہم وِ مرشہ نادہ بِندُے یَس وٕوٕن

سُے دیوٕ اشوٕ دار ہنیٹھ چیدِٹیس

مستقل ہے جو رواں آواز 'اوم' ہے نہیں غیر از خلائے کائنات
اس کا مسکن ہے فضائے لامکاں

نام ہو یا رنگ ہو یا ہو نسب — ایسی سب چیزوں سے ہے وہ بے نیاز
کہتے ہیں اک عکس ہے وہ اصل ہیں — اپنے ہی نقطے کا اور آواز کا
دیوتا ہے بس وہی جو اس پہ آپ — ہمت عالی سے ہوتا ہے سوار

نوٹ :- ذاتِ کامل کے مختلف نام بتائے گئے ہیں۔ آوازِ رواں یعنی 'اوم'، ایک دفعہ بھی انساں زباں سے نکالے تو دائم گونجتا رہتا ہے اس کی حقیقت آکاش پر مبنی ہے یعنی اثیر سے متعلق ہے اور یہ اس جوف میں قیام کرتا ہے جو 'سہسرارؔ' میں پایا جاتا ہے۔

آواز اور نقطہ سے جلوۂ نور کی ابتدائی منزل مراد ہے۔ ذاتِ افضل انساں کے جسمِ لطیف میں ایک باریک نقطۂ روشنی کی صورت میں متمکن ہے جس کو قوتِ برتر یں گھیرے ہوئے ہے۔ جب انسان یوگ کے بل سے پہلی دفعہ اس نقطے کی جھلک دیکھ لیتا ہے تو یہ نقطہ حرکت میں آجاتا ہے تب یہ قوت بیدار ہو جاتی ہے اور بیخ اٹھتی ہے۔

(۹۹)

زَنَنہٕ زایاے رٕتی تاے کٔتی
کَرٕتھ ووہ درس بہوٗ کلیش
پھیرِتھ دوار بَرَنہٕ وٲتی تٔتی
شِوٕ چھے کَرٕ ژٕھٹہ تہٕ ژین ووہ پدیشن

(۱۰۰)

یوہ سے شَیل بیٹھس تہٕ پٹس
سوے شَیل چھے پُرٕتھ ون نیش
سوے شَیل شُوبہٕ ونِس گرٕ ٹس
شِو چھے کرٕ وٕٹھ تہٕ ژین ووہ پدیش

عرن یہٕ کتھ چھ لل دیدِ زیادٕ ننیٔ یا ٹھی یتھ واکھس منز ونیٔ مژ:-

نیمہٕ کرٕ یوٚتھ گرٕ با۔ ژینتَس کَرٕ با پٔنی
مرنہٕ برونٹھی مر با۔ مَرِتھ مرتبہٕ ہُری

رحم مادر کو دیا دردِ شدید — اور دکھ بھی اس کو پہنچایا بہت
تب ہوئے پیدا وہ دنیا میں ضرور — تھے بھلے چنگے، اچھے اور تندرست
پھر بھی اکثر آ کے ٹھہرے باربار — تھا یہی در ان کی جائے انتظار
شو کا پانا تو بہت دشوار ہے — دھیان رکھ اس پر کہ یہ ایدیش ہے

نوٹ :- جب تک روح رحمِ مادر میں ہوتی ہے۔ اس کو پچھلے جنم یاد ہوتے ہیں اور یہ پیدا ہوتے وقت آئندہ آواگون کے چکر سے رہائی حاصل کرنے کا عہد کرتی ہے۔ لیکن جوں ہی پیدا ہوتی ہے یہ سب کچھ بھول جاتی ہے، اور دنیاوی خواہشات میں الجھ کر اسے بار بار ماں کے پیٹ میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ اور دنیا میں وارد ہونے کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ بات وضاحت کے ساتھ لل نے اس واکھ میں کہی ہے

یاد کر تو اس عہد کو — جو کیا تھا بطن میں
جیتے جی ہی تو مرے گا — تب تمہارا مرتبہ
واقعی ہوگا بلند

(۱۰۰)

پتھر جو کام دیتا ہے جائے نشست کا — یا جو بچھایا جاتا ہے کوچوں میں جا بجا
ہوتا ہے بالضرور بہر رنگ جزوِ ارض — آتا وہی ہے کام کسی آسیا میں بھی
پانا جہاں میں شو کا تو دشوار بہت ہے — ایدیش ہے تو اس پہ ذرا دل سے دھیان رکھ

نوٹ :- دنیا کی تمام اشیاء ذاتِ الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگرچہ جائے نشست، گلی کا فرش، قطعۂ ارض یا چکی مختلف صورتیں اختیار کئے ہوئے ہیں۔ لیکن درحقیقت ایک ہی چیز ہیں یعنی پتھر۔

(۱۰۱)

پیٚہے ماژہ ریپ پیٚے دِئے
پیٚہے بارٕیا ریپ کرٕہ وِشیش
پیٚہے مایا ریپ اَنتہِ زوٗ ہیٚیے
شِو چھے گرٕوٹھ تہٕ ژیٚن ووپدیشیا

(۱۰۲)

رَو متہٕ تھلہ تھَلہِ تأپی تَن
تأپی تَن ووہ تَمَ دیش
وَرٕن متہٕ لوٗکہ گرٕہ اَژی تَن
شِو چھے گرٕوٹھ تہٕ ژیٚن ووپدیش

(۱۰۳)

شِو چھے زأوٗیُل زال دہرأوِتھ
کرٕتزٕن منز چھے ترٕتھ گیٚنتھ
زِندہ نے وُچھہَن اَدٕہ کتہِ مرِتھ
پانہٕ منزٕہ پان کڈ ویژأرِتھ گیٚنتھ

(۱۰۱)

عورت کی ذات دیکھئے پھر غور کیجئے ۔۔۔ کرتی ہے والدہ کی کبھی صورت اختیار
بچے کو تب پلاتی ہے کس شوق سے وُہ دودھ

آتی ہے سامنے کبھی بیوی کے روپ میں ۔۔۔ اس وقت ہوتی ہے مگر اسکی روش کچھ اور
مایا کی شکل میں کبھی ہوتی ہے جلوہ گر ۔۔۔ لیتی ہے جان تک کبھی، اتنی ہے وہ نڈر
مل جائیں شو سے یہ نہیں آساں کسی طرح ۔۔۔ اپدیش ہے یہ دھیان اسی کا ہے ترا

نوٹ:- یہ تمثیل مندرجہ بالا مطلب ہی کی وضاحت کرتی ہے۔ عورت مختلف حیثیتوں میں نظر آتی ہے۔ مثلاً کبھی ماں کے روپ میں اور کبھی بیوی کی شکل میں یا کبھی مایا بن کر جان لینے والی کی صورت میں لیکن حقیقت میں بہر صورت عورت کی ذات ہے۔

(۱۰۲ ب)

کیا نہیں کرتا ہے ہر خطے کو روشن آفتاب؟ ۔۔۔ روشنی پاتا ہے کیا بس ایک پاکیزہ مقام
اور کیا داخل نہیں ہوتا 'ورن' ہر گھر میں ہے؟ ۔۔۔ شو کا پانا تو بہت دشوار ہے 'اپدیش سن'

نوٹ:- یہاں بھی ذات الٰہی کی عالمگیر جلوہ گری کا بیان ہے۔ جس طرح سورج ہر جگہ بلا کسی امتیاز کے چمکتا ہے اور جس طرح 'ورن' یعنی پانی کا دیوتا ہر گھر میں داخل ہوتا ہے اور صرف مخصوص مقامات ہی میں ہی نہیں۔ اسی طرح ذات الٰہی بھی کسی خاص مقام ہی پر جلوہ افگن نہیں۔ بلکہ ہر شے میں ساری دطاری ہے۔

(۱۰۳)

باریک جال کی طرح پھیلا ہوا ہے آپ ۔۔۔ شو جو تمام قالبوں میں کر گیا نفوذ
پائیگا تو حیات میں اپنی نہ جب اُسے ۔۔۔ مرنے کے بعد آئیگا کب پھر ترے وہ ہاتھ
لے کام ذوق و شوق سے اور غور و خوض سے ۔۔۔ اپنے وجود میں سے خودی کو نکال دے

نوٹ:- 'خودی' سے یہاں مراد انا ہے۔

(۱۰۴)

اَسہ پوندہ زئوہ سہ زامہ
نَیتھی شان کرہ تیر تھن
ڈماڑی وہرس نوسے آسے
تشہ پچھے تہ پڑ زانتن

(۱۰۵)

شِو پیچھے تھکلہ تھکلہ روزان
موزان ہیئوند تہ مُسلمان
ترک اَسے چھکھ تہ پان پڑ زناو
سوے پچھے صاحبس زاننی زان

(۱۰۶)

تنتھر گلہ تائے منتھر موہ ژسے
منتھر گوّل تائے موتے ژیتھ
ژیتھ گوّل تائے کینژہ تہ ناگنے
شونیس شونیاہ میلتھ گوَ

(۱۰۴)

وہی ہے خود جو ہنستا ہے وہی ہے کھانسنے والا
وہی ہے چھینکنے والا، جمائی لینے والا بھی

وہی ہے جو نہاتا تیرتھ استھانوں پہ ہے جا کر
وہی ہے جو برابر سال بھر ننگا ہی پھرتا ہے

بنا کر بھیس سادھو کا وہ زاہد اپنا دکھاتا ہے

بہت نزدیک ہے تیرے اُسے پہچان لے اب بھی

نوٹ:- عابد مقدس مقامات کی زیارت کرنے کے لئے مارا مارا پھرتا ہے اور ذاتِ الٰہی کی تلاش میں جسمانی تکالیف برداشت کرتا ہے۔ اُسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ خود اسی کی ذات میں موجود ہے۔ اور اس لئے وہ اس سے الگ نہیں۔ زاہد کوئی بھی عمل اختیار کرے۔ درحقیقت وہ کرنے والا نہیں بلکہ ذاتِ حق ہی اسکی محرک ہے۔

(۱۰۵)

شو ہی شو ہے جا بجا جلوہ نما جلوہ طراز
کر نہ ہندو اور مسلماں میں تو کچھ بھی امتیاز

گر ہے تو ذی ہوش اپنی ذات کو پہچان لے
درحقیقت بس یہی اللہ کی پہچان ہے

(۱۰۶)

تنتر ہوئے مفقود تو منتر رہے باقی
منتر ہوئے مفقود تو اک من رہا باقی

جب من ہوا مفقود تو سب کچھ ہوا معدوم
پھر جذب خلا میں ہی خلا ہو گیا یکسر

نوٹ:- تنتر- مقدس کتب

(۱۰۷)

بان گوٗل تاٶ پٔژ کاش آو ژُونے
ژٔندر گوٗل تاٶ ہوٗتُے ژٔیتھ
ژٔیتھ گوٗل تاٶ کٔمینہٕ تۄ ناگُنے
گَے بھُور بھُوہ سوٕر وٕتیسٕرزٕنتھ کٔمینٕتھ

(۱۰۸)

اَبھیاسی سَوِکاسی لَیہٕ وۄتھو
گٔگنس سگُن مِیُول سَمہٕ ژٕرٹا
شُونی گوٗل اَنامَے موٗتو
یُہوے وۄپدیش چھُے بٹا

(۱۰۷)

جب آفتابِ ضو فشاں ہوتا ہے مغرب میں نہاں ۔۔۔ تو چاند آتا ہے نکل اور کرتا ہے ضو پاشیاں
جب چاند چھپ جاتا ہے پھر تو باقی رہ جاتا ہے من ۔۔۔ یہ من بھی محوِ لامکاں خود ہو کے رہتا ہے کہاں
پھر یہ اثیری وسعتیں اور یہ زمین و آسماں ۔۔۔ ہوتے ہیں رخصت بیک مٹتا ہے ہر شے کا نشاں

نوٹ :۔ چاند اور سورج سے بالترتیب عمل کے مقامات اسفل و افضل مراد ہیں۔ جب عالم استغراق میں یہ موجود نہیں رہتے تو سالک کو سوائے قوتِ تصوّر کے کسی چیز کا احساس نہیں رہتا۔ جب یہ احساس بھی ذات الہی میں گم ہو جاتا ہے تو ہمہ گیر اور انفرادی ذات میں جزو و کل کا امتیاز بھی جاتا رہتا ہے۔

(۱۰۸)

ازپسِ مشقِ مدید ۔۔۔ ہوتے ہیں جب ناپدید
سب یہ پدید و عیاں ۔۔۔ جو نہیں غیر از گماں
ہو کے گم اندر اثیر ۔۔۔ سارے صغیر و کبیر
اور یہ اشیاء تمام ۔۔۔ پاتی ہیں تحلیلِ تام
ہوتی ہے گم کائنات ۔۔۔ رہتی ہے بس ایک ذات
یاد رکھ اے برہمن ۔۔۔ ہے یہی سچا بچن

نوٹ :۔ کائنات سے یہاں وسیع عالم مخلوقات مراد ہے۔ ایک باشعور عبادت گذار کے نزدیک یہ کائنات ذاتِ الہٰی کا ایک اضافی ظہور ہے جو پھر اسی میں جذب ہو جاتا ہے۔ انسان کی روح محدود انفرادیت گم کر کے لامحدود ذاتِ حق میں فنا ہو جاتی ہے تو عبادت گذار کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

(۱۰۹)

واکھ مانس کوِل اکوِل نااَتے
ژھوپہ مُدرِ اَتہٕ نا پڑویش
روزان شو شیکھتہٕ نا اَتے
موتہٕ ییٚ گُنہٕ تہٕ سُے وٚو پدیش

(۱۱۰)

ژٔ نا بوہ نا ذیے نا دھیان
گوٚ پانے سۄوکرِہ مُشتھ
اَنیو ڈیو ٹھگھ کینژھ نا اَنوَے
گیہ سَتھ لَبہ پرپشتھ

(۱۰۹)

سکوتِ دل کا عالم بھی نہیں رہتا وہاں باقی
نہیں رہتا خیالِ قلب یا حرفِ زباں باقی

نہ شوہی پایا جاتا ہے نہ پائی جاتی ہے شکتی
وہاں کب دخل کچھ حرکاتِ رمزی کے عمل کو ہے

جو کچھ رہتا ہے پھر باقی وہی اندیشہ ہے میرا

نوٹ :- 'وہاں' سے مطلب ہے ذاتِ افضل میں۔

بھگت یا اس قسم کی اور کسی چیز سے براہ راست اس تک رسائی نہیں ہو سکتی ان کے ذریعے سے زیادہ سے زیادہ من کی معرفتِ ذات تک رسائی ہو سکتی ہے جس سے وصالِ حق ممکن ہے۔ ذاتِ حق "شو شکتی" بھی نہیں کیونکہ ان "تتوں" میں بھی صورت اور نام کے علامات پائے جاتے ہیں۔ ذاتِ حق میں یہ دو چیزیں بھی نہیں۔

(۱۱۰)

نہ ہی دھیان باقی نہ مقصد ہی اس کا
نہ میں ہوں نہ تو ہے نہ وہم و گماں ہے

سراسر اسی عالمِ بیخودی میں
ہوا گم ہے خود خالقِ دو جہاں بھی

کہ یہ کھیل کیا ہے یہ بازیچہ کیسا
سمجھ میں نہ کچھ بے بصیرت کی آیا

مگر جب ہوا محرم ذاتِ اعظم
تو نابود تھے ہفت طبقاتِ عالم

نوٹ :- جو کچھ ہست ہے بہر صورت جلوۂ ذاتِ حق ہے۔ لہٰذا جب ناداں انسان اپنی اور تمام مخلوق کی ذات اور ذاتِ حق کی یکتائی سے آشنا نہیں ہوتا۔ اور 'من و تو' یا دھیان اور دھیان کے مقصد میں فرق سمجھتا ہے تو درحقیقت یہ ذاتِ الٰہی کی نمود ہے جو اسکی قدرتِ فریب کاری سے عارضی طور پر محجوب نظر آتی ہے اور اس نادانستگی میں گم ہو جاتی ہے۔ یہ تمثیل اندھوں یعنی ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی جو اشیاء کی اصلیت سے بے خبر ہیں۔ لیکن جب انسان حقیقت کی تہ تک پہنچ جاتا ہے۔ تمام کائنات اسکی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور وہ نجات حاصل کر لیتا ہے۔ سات عالم یہ ہیں :- (۱) زمین (۲) آسمان (۳) عرش (۴) طبقۂ درمیانی (۵) عالمِ حیاتِ دوامِ مسلسل (۶) قصرِ مسعود (۷) مسکنِ حقیقت۔

(۱۱۱)

پیتھر سِل کھوٗت تاٚسے پیتھرے
ہمہ ترٚئہ گے بِین ایٚین وِمرشا
ژٕتینہ رو باتہ سَب سمے
شِومے ژرا ژٕر زگ پشا

(۱۱۲)

ژٕہی دیوہ گر تس تہٕ دھرتی سٔرزکھ
ژٕیے دیوہ دِتیتھ کرٚژَن پڑان
ژٕہی دیوہ گٹنہ رٚو ستے وَزکھ
کُس زانہ دیوہ چھون پرمان

(۱۱۳)

گُنیر اسے بوزکھ گُنہ نو روزکھ
گُنیرن کُڈنم ہُنی آکار
گُنی اَستھ دوہن ہُند جگ گوم
سے بیرنگ گوم گرِتھ رنگ

(۱۱)

پانی جم جاتا ہے تو بن جاتا ہے یخ — یا بشکلِ برف آتا ہے نظر
غور سے دیکھو تو یہ سب اصل میں — ایک ہی شے کے فقط ہیں تین روپ
جب شعورِ برترین کا آفتاب — نور برساتا ہے آب و تاب سے
مل کے تینوں دم میں ہو جاتے ہیں ایک
سچ جو پوچھو تو بسیطِ دہر میں — اور ہر شے میں کہ جو ہے ماسوا
شو ہی شو ہے جلوہ گر جلوہ نما

نوٹ :- جس طرح آفتاب یخ اور برف کو پگھلا کر پانی کی شکل میں تبدیل کر کے اس کے ساتھ یکساں بنا دیتا ہے۔ اسی طرح معرفت روح سے نہ صرف ذاتِ حق کے ساتھ یکساں ہونے کی اصلیت کو تسلیم کراتی ہے بلکہ یہ بھی واضح کر دیتی ہے کہ تمام کائنات بہر صورت قدرتِ مطلق کا ظہور ہے۔

(۱۲)

یا رب کہوں میں کیا ہے شانِ جلال تیری — کب مجھ سے ہو بیاں یہ کیا ہے مجال میری
عالم پہ تو ہے چھایا ہر چیز میں سمایا — بخشی حیات تو نے قالب کو ہر بشر کے
تیری ہی گونج ساری ہے بے صدا جہاں میں — سبحان تیری قدرت کا ہے کہیں ٹھکانا؟

(۱۳)

تو اگر سمجھے کہ ہے توحید کیا — منفرد ہستی تری مٹ جائیگی
نیست بھی میں ہست مجھکو کر دیا — مٹ گئی اس سے مری بیگانگی
ہے یہی توحید شانِ ذاتِ حق — پھر بھی جاری ہے یونہی جنگِ دوئی
خود تو وہ بیرنگ ہے لیکن تجھے — مبتلائے رنگ و بو کر کے گیا

(۱۱۴)

تهمَے شہ ژۂ تهمَے شہ مۂ

شیامہ گلا ژۂ ڎیّن تاعۂ ٹس

یہوے بیّن اَجھید ژۂ تہمۂ

ژۂ شیّن سوٗ آمی بوصِ شیّے مُشّس

شمبھو ہے تو ہی مالکِ حلقِ سیہ نشاں — تیری طرح ہیں مجھ میں بھی موجود چھ صفات

افسوس ہے کہ پھر بھی ہوں میں تجھ سے دُور دُور — ہے یہ سبب کہ رنج و مصیبت کی ہوں شکار

مالک ہے چھ صفات کا تو اس میں کیا کلام — مجھ کو لیا ہے لوٹ انہی چھ صفات نے

نوٹ ۱:- شِو کے گلے میں سیاہ (نیلا) نشان پایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں جب دیوتاؤں نے سمندر سے امرت حاصل کرنے کی کوشش کی اور پانی کو چھان ڈالا تو پہلی چیز جو اس سے برآمد ہوئی وُہ زہر تھا۔ شو اس کو پی گئے تاکہ یہ نقصان کا باعث نہ بنے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے گلے میں نیلا داغ پڑ گیا۔ اسی وجہ سے شِو کا ایک نام 'نیل کنٹھ' (نیلے گلے والا) بھی ہے۔

"چھ سے مُراد ذاتِ حق کے یہ صفات ہیں۔ (۱) ہمہ دانی (۲) قناعت (۳) علم ازل (۴) بے نیازی (۵) جبر (۶) قدرتِ مطلق۔ چھ انسانی صفاتِ ذیل کے صفات بھی قرار دئے جا سکتے ہیں:- (۱) شہوت (۲) غضب (۳) خواہش (۴) تکبر (۵) گمراہی (۶) حسد۔ یا ان سے چھ انسانی کمزوریاں مُراد لی جا سکتی ہیں۔ (۱) غم (۲) فریب (۳) پیری (۴) موت (۵) بھوک (۶) پیاس۔ یا ان سے انسانی زندگی کے چھ دور مراد لئے جا سکتے ہیں۔ (۱) عہدِ شیر خوارگی (۲) عہدِ طفلی (۳) بلوغیت (۴) شباب (۵) کہالت (۶) پیری۔ یا چھ سے مراد ہو پانچ اندریاں یعنی قوے اور من:

۱۱۵

(الف)

لل بوہ دراییس کپسہ پوشچہ سٕتری
کاڈٕ تہٕ دوٗنی کٔرنم ینٛژٕی لَتھ
پتہِ تیلہِ کھارِنم زآوِجہ تیٚیے
ووۄری وانہٕ گٔیم الانٛزی لَتھ

(ب)

دوٚبہِ تیلہِ چھاونس دوٚبِی کٔنہِ پیٚٹھی
سَز تہٕ صابن مٔرتھم یٔژی
سٕژی تیلہِ پھیرُنم ہَنہ ہَنہ کاٚژی
ادٕ لٔلہِ مےٚ پرٲوم پرمہ گتھ

(۱۱۵)

(الف)

اس جہانِ رنگ و بو میں شوق سے آئی تھی میں
جس طرح روئی کے ڈوڈے سے نکل آتا ہے پھول

کیا بتاؤں گردشِ قسمت کہ بالآخر مجھے
بیلنے کی کشمکش نے کر دیا زار و ملول

پھر مدد سے ڈور کی دھنکی نے قابو پا لیا
منتشر باریک ریشوں میں مرے اجزا کیے

تب بنایا تختۂ مشقِ عمل نسّاج نے
کچھ نہ پوچھو مجھ پہ یوں جور و ستم کیا کیا کیے

(ب)

مل کے صابن سنگ پر دھوبی نے دے ٹپکا مجھے
تن کو اُجلا کر دیا من کو بھی اجلا کر دیا

بارہا درزی نے قینچی سے مرے ٹکڑے کیے
اور سوزن سے مرا ہر جزو چھلنی کر دیا

منزلیں جب کر چکی طے پائے ہمت سے تمام
تب کہیں جا کر ہوئی میں وصل حق سے شاد کام

نوٹ:۔ یہاں للّی ان مراحل کا ذکر کرتی ہیں جن سے ان کو تلاشِ حق میں گزرنا پڑا
قسم قسم کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد وہ کہیں ذاتِ حق سے واصل ہوئیں۔

(۱۱۶)

وِیشہِ آیَس دَش وِیشہِ ژٔلِتھ
ژٔلِتھ ژوٗلم شُشہِ اَدٕ واو
شِوٕہِ ڈِیُٹھم شایہِ میلِتھ
شہ تہٕ ترٕ ژوٗپہِ مَس تہٕ شِوٕہِ ڈراو

(۱۱۷)

سوٚن دراو وٕہنہ تہٕ کَل گوَ وُتِھ
یِیلہِ مَبہٕ اَنہٕاہہٕ دِیُتمَس تاو
کَتُرٕ زَنِ گیَس لولہٕ وِیگلِتھ
یِیلہِ کھٹکوٗش ژوٗل نشہِ رَو ڈراو
لَل بوٗ رُوزُس تیٔلہِ شِہلِتھ
یِیلہِ ژیٚتس بیٚیہ بوٗ تَس ناو

(۱۱۶)

سیر کر کے دس جوانب سے میں آئی اس طرف

چیر کر نکلی خلا کو مثلِ طوفاں بے خطر

شوہی شِو کو جلوہ گر پایا وہاں دیکھا جدھر

بند کر کے رکھ دیا پھر میں نے چھ اور تین کو

شوہی شِو ثابت ہوا وجہِ ظہورِ کائنات

نوٹ ۱۔ 'چھ' سے مراد پانچ 'اندریاں' یا قویٰ اور من۔ 'تین' سے مراد وہ تین آلائشیں جن سے کائنات ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جنہیں سنسکرت میں "مل" کہتے ہیں۔ یعنی (۱) "آنو مل" جس سے جیو اپنے آپ کو محدود سمجھتا ہے (۲) "مایا مل" جس سے جیو ہر ایک چیز کو دوسری چیز سے جُدا سمجھتا ہے۔ اور (۳) "کارم مل" جس سے کرم" یعنی عمل پیدا ہوتی ہے جو سُکھ اور دُکھ کا باعث بنتی ہے

(۱۱۷)

نکلا سونا آگ کی بھٹی سے تو روشن ہوا

جز وہ آلائش تھا جو کچھ اسمیں سب وہ جل گیا

آگ پر اس کو چڑھایا میں نے جونہی مثلِ یخ

سوزِ جذبِ عشق سے میں خود پگھل کر رہ گئی

جیسے سورج کے نکلتے ہی پگھل جاتی ہے برف

اور رہ جاتا ہے باقی چار سو بس آفتاب

جب میں یہ سمجھی کہ مجھ میں بھی ہے اُس کا ہی ظہور

پھر سکونِ قلب حاصل ہو گیا یہ جان کر

(۱۱۸)

شُنیک ماڈان کوُڈُم پانس
میہ لکہِ رُوزھم نہ بوہ دُنہ ہوش
بھیدی سِپنس پانے پانس
اَدہ کمہ گِکہ پھوُل لَلہ پمپوش

(۱۱۹)

مِتھیا کپٹ اسَتھ ترووُم
مَنس کوُرُم سُے وہ پدیش
زَنس اندر کیوَل زوُنُم
انِس کھینس کُس چھُم دویش

(۱۲۰)

آبِس تہ سیوُدُے تہ گرتھ ہِ تہ سیوُدے
سَندرس ہوُول مہ کرہم کیاہ
بوتس اسیس اگر سے دیودے
دِدِس تہ دیندس کرہم کیاہ

(۱۱۸)

طے کیا میں نے خلا کا ایک صحرائے وسیع
لل جہاں قائم رہے میرے نہ کچھ ہوش و حواس
اصلیت سے جب وجودِ ذات کی واقف ہوئی
گیلی مٹی سے کنول پیدا ہوا میرے لئے

(۱۱۹)

ترک میں نے کر دیا سب جھوٹ اور مکر و فریب
تھا یہی اپدیش موزوں میرے من کے واسطے
مجھ کو تو کوئی نظر آیا نہیں بجز ذاتِ حق
کھانے میں پرہیز کرتی کس سے بتلاؤ مجھے

(۱۲۰)

آئی سیدھی ہی یہاں سیدھی ہی اب جاؤنگی میں
کوئی ٹیڑھا ہو تو مجھ سیدھی کو کچھ پروا نہیں ئ
جانتا ہے وہ ہمیشہ سے کہ کیا ہوں کون ہوں
کیا کرے گا وہ مجھ ایسے جانے پہچانے کے ساتھ
ئ آئی سیدھی راہ سے، جاؤں گی سیدھی راہ سے
کوئی کجرو ہو تو مجھ سیدھی کو کچھ پروا نہیں

(۱۲۱)

لل بو ژائیس سومن باغہ برس

ڈیچھم شوٗبس شکھتہ میلتھ تہ واہ

تتھے لے کرٕم امرتہ سرس

زندے مرس تہ مے کرٕ کیاہ

(۱۲۲)

اندر آسیتھ نیبر ژھوڈُم

پوَنَن رٲگن کرٕم آستھ

دھیانہ کنی دے زگہ کیول زونُم

رنگ گو سنگس میلتھ کینتھ

(۱۲۳)

سمسارس آیس تپسی

بودھ پرکاش لوبم سہز

مریم نہ کُنہ تہ مرہ نہ کانسہ

مرہ نیچھ تہ لسہ نیچھ

(۱۲۱)

شو کو دیکھا میں نے شکتی سے وہ ہم آغوش تھا لل میں گذری جب سمن زارِ دلِ مشتاق سے

بے نیازِ زندگی ہوں اب نہیں پروا مجھے جوشِ مستی سے ہوئی پھر جھیل میں امرت کی غرق

مر گئی ہوں گو بظاہر زندہ آتی ہوں نظر

نوٹ :۔ 'سمن' فارسی لفظ سمجھا جائے تو اس کے معنی یاسمن کے ہیں اور اگر ہندی کا تو اس کا مطلب 'میرا اپنا من' ہے۔

شو کا شکتی یعنی قدرت کاملہ کے ساتھ حاصل ہونا ذات الٰہی کی برترین صورت ہے۔ امرت کی جھیل استعارہ ہے جو ذاتِ الٰہی کے ساتھ وصل حاصل کرنے کی سعادتِ ابدیت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۲۲)

مجھ میں تھا موجود وہ اور یہ مجھے معلوم تھا پھر بھی میں کرتی رہی باہر ہی ہیتم کی تلاش

پا گئیں نفسِ حیاتی سے سکوں میری رگیں دھیان سے پایا کہ حق کی ہے جہاں میں بود و باش

امتیازِ رنگ و بو ادراک میں جاتا رہا کیوں نہ ہو پھر غیریت کا پردہ اک دم پاش پاش

(۱۲۳)

میں تپسوی بن کے آئی عالمِ فانی میں آپ نورِ دانش سے حقیقت دیکھ پائی ذات کی

کوئی مر جائے کہ میں مر جاؤں اس سے کیا غرض میں مروں تو واہ وا زندہ رہوں تو واہ وا

نوٹ :۔ حقیقتِ ذات سے واقفیت حاصل ہونے پر زندگی و موت سے بے نیازی رہتی ہے۔

(۱۴۴)

دۄادٕ شانتہٕ منڈل بیس دِیوس تھجِ

ناسِکہ پوٚنہ داگٕرِ اَنا ہنتہ رٔو

سعویمَ کلپَنَ اَنتہٕ ژٕجِہ

پانَے شُہ دِیوِ تہٕ الزٔن گٔس

(۱۴۵)

گگنَ ژٕہی بھۄتل ژٕہی

ژٕہی چھُک دِیَن پَوَن تہٕ راتھ

ارگ ژندن پوش پوٚنی ژٕہی

ژٕہی چھُک سورُے تہٕ لاگِ زہی کیاہ

(۱۲۴)

'برہمہ رندر' کو سمجھا ہے جو خود اپنی ذاتِ حق کا اک عالی مقام
دم ہے اپنے دل سے لیکر ناک تک جانتا ہے وردِ آوازِ رواں
اس کے سب اوہام باطل خود بخود دم میں مٹ جاتے ہیں ہوتے ہیں فنا
ذاتِ حق پاتا ہے اپنی ذات میں پس رکھے کس کی پرستش وہ روا

نوٹ :- آواز رواں یعنی 'اوم' ، 'برہمہ رندر' اس جوف کا اصطلاحی نام ہے جو کاسہ سر کے اگلے حصے میں واقع ہے۔ بعضوں کے نزدیک یہ مقام ریڑھ کی ہڈی کی نلی میں ہے۔ اس کا قریبی تعلق 'سہسرار' کے ساتھ ہے جو ہر انسان میں ذاتِ افضل 'شو' کا مقام ہے۔ یہ انسان کی ذات سے علیحدہ نہیں۔ جب انسان اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو وہ کسی اور کی پرستش کرنا بیہودہ سمجھتا ہے۔

(۱۲۵)

زمیں تو ہے زماں تو ہے، ہوا دن رات بھی تو ہی
چڑھاوے کا اناج اور جل بھی چندن پھول بھی، تو ہی
غرض ہر چیز میں تو خود سمایا ہے بہر صورت
میں حیراں ہوں کروں کیا نذر تیری ایسی حالت میں

نوٹ :- یہاں بھی رسمی پرستش کو روحانیت کے مقابلے میں بے معنی بتایا گیا ہے۔ چونکہ تمام مخلوقات کا منبع ذات الٰہی ہے۔ کوئی چیز جو نذر کی جائے خود وہی ہے پس کون کس کو اور کیا نذر کرے۔

سَت سَنگٕے پوٗتر دوٗرُم

نِشُر روزٕنس ترٛوپرِتھ بَر

دَشہِ دَشمی دوار پٔرزٕلوُوُم

اِیکا دَشہِ ژٕندرمَس کرٕٛم لَے

دوادَشہِ منڈٕلہِ ڈیکھ شوٗنرووُم

ترٛیوُدَشہِ ترٛبینی ناعٕم کاے

ژوٚترُدَشہِ ژٕوداہ بھوَن شماوِرُم

پوٗرنہٕ پانژٕدَشہِ ژٕندرَن کوٗرُم وودٕے

اَکدوہ بھوگی پان سندوُرُم

رٔسہِ تہِ رُوزٕنس کلپَن ترٲوِتھ

سُے ہا مالہِ کرٕٛم پیتہ تلِیَن پوٗز

پاک ہو کر ابتدا پوجا کی کی ست سنگ سے

نویں دن در اور درِ نیچے بند میں نے کر دیئے

دسویں دن دسویں مکاں میں کر دیا روشن چراغ

گیارہویں دن چاند سے پیدا شناسائی ہوئی

بارہویں دن کر لئے قابو سبھی منڈل جہات

تیرہویں دن تن کو تربینی پہ کر کے صاف و پاک

چودھویں دن چودہ عالم آئے قبضے میں مرے

پندرہویں دن میں نے دیکھا چاند کو ہوتے طلوع

پھر سنبھالا روزِ اول میں نے اپنے آپ کو

تب ہوئی آزاد فکروں سے، ملی راحت مجھے

بُت پرستی کرنے کا تھا بس یہی میرا عمل

نوٹ :- ان اشعار میں لل ان مختلف مراحل کا ذکر کرتی ہے جو اس نے یوگ کا متواتر عمل کرنے کے دوران میں طے کر لئے تھے۔ اس کا اظہار وہ رمزی علامات کے ذریعہ سے بیان کرتی ہے۔ جن کا تعلق پندرہ دن تک چاند کے بڑھنے سے ہے۔

(۱۲۷)

اومکار بیٹلہ لبہ اڈنم
دہیج کوڑم پنن پان
شہ ووٹ ترآونھ ستہ مازگ روٹم
بیٹلہ لل بہ وآڈس پرکاشستھان
لامکان - ن

(۱۲۸)

دمہ دمہ اومکار من پنہ نوٹم
پانے پران پانے بوزان
شعہم پدس آہم گولم
تیٹلہ لل بہ وآڈس پرکاشستھان
لامکان - ن

(۱۲۹)

گیانکی امبر پیر تھ تنئے
یمی پد للہ دپی تم ہردہ اگنکھ
کار ہنز بہ نوکی لے کوز للے
ژنتھ جیوتہ کاتن مرنسی شانکھ

میں نے اپنایا نہ کب 'اُمکار' کو جسم کو صورت اک انگارے کی دی

راستے تھے چھ وہ طے میں نے کئے ساتویں پر جا پہنچی جب تو پھر

عالمِ انوار میں للؔ داخل ہوئی

نوٹ :- للؔ کا مطلب یہ ہے کہ حبسِ نفس سے اس کا جسم آتشِ منزہ کے ذریعے سے روشن ہوا۔ چھ راستوں سے مراد چھ چکر ہیں یا شکتیوں کے تابع چھ مقامات جو انسان کو عمل کرنے پر اُبھارتے رہتے ہیں۔ ریاضت گزار کو انہیں یکے بعد دیگرے قابو کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر وہ ساتویں اور بالاترین منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ یعنی 'سہسرار' چکر میں جس میں محو ہو جانے سے وہ آخری نجات حاصل کرتا ہے۔

(۱۲۸)

اپنے من کو برسوں 'اوم' کی تعلیم دی خود ہی میں پڑھتی رہی اور خود ہی سنتی بھی رہی

تب کہیں میں عالمِ انوار میں داخل ہوئی

حذف انا الحق سے کیا لفظِ 'انا' کو یک قلم 'ھو' کے آگے کر دیا اپنا سرِ تسلیم خم

نوٹ :- 'سوہم' 'میں وہ ہوں'۔ 'اہم' 'میں ہوں' یعنی انانیت۔

(۱۲۹)

زیبِ تن کر کے لباسِ معرفت ہو عمل پیرا کلامِ للؔ پہ تو

اس کو حاصل ہے اعانت 'اوم' کی روح کی تابش سے ہم آغوش ہے

مست ہے وہ محو ہے جذب و طرب دور اس نے کر دیا خوفِ اجل

نوٹ :- 'پرنو' پُر اسرار لفظ 'اوم' ہی کا دوسرا نام ہے۔

(۱۳۰)

تکہِ سس زَن مُل ژوٗلم مُنَتس

اَدِہ میئہِ لبُیم زَنَس زان

شہ ٹیلہِ ڈیوٗ ٹھم نشہِ یانَس

سوٗرے شہ تِہ بجِہ نو کیٖنچھ

(۱۳۱)

اندرِہی آیَس ژندرہی گادان

گاران آیَس ہاہیتں ہاہیہ

ژِہی ہے ناران! ژِہی ہے ناران!

ژِہی ہے ناران! یِم کُم رٖہاہ

(۱۳۲)

پانَس لاگِتھ رودُکھ میئہ ژہ

میئہ ژئہ ژھاڈان لوٗستُم دوہ

پانَس منز ییئلہِ ڈیوٗ ٹھکم میئہ ژہ

میئہ ژئہ تِہ پانَس دیُتم ژھوہ

(۱۳۰)

میرے دل کا میل سارا دُھل گیا اس طرح جیسے کہ آئینہ سے زنگ

گیان کیوں حاصل نہ ہوتا پھر مجھے

میں نے جب پایا اسے اپنے قریب تھا وہی سب کچھ میں خود کچھ بھی نہ تھی

(۱۳۱)

میں آسیمہ سر چاند کی جستجو میں رہی دل کے خلوت کدے میں برابر

کھلا اس تگ و دو میں مجھ پر یہ آخر مماثل مماثل سے ملتا ہے جا کر

بہر رنگ ہر شے میں تو جلوہ گر ہے

جدھر دیکھتی ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

میں حیراں ہوں اس عالمِ رنگ و بو میں نہیں غیر کوئی تو یہ روپ کیسے!

نوٹ:- ذاتِ انسان اور ذاتِ حق فی الحقیقت ایک ہیں۔ مختلف روپ اسی ذاتِ حق کے جلوے ہیں جو اس کے بغیر کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔

(۱۳۲)

ذات میں اپنی سما کر خود تو پنہاں ہو گیا اور نگاہوں سے مری تو سر بسر اوجھل رہا

جستجو میں تیری سارا دن ہوا میرا تمام لیکن آخر تجھ کو میں نے اپنے اندر پا لیا

پھر مسرت سے کچھ ایسی مجھ پہ مستی چھا گئی

ساتھ تیرے جھومتی کرتی رہی اٹکھیلیاں

نوٹ:- ابتدا میں لل اپنی ذات کو ذاتِ حق سے الگ سمجھتی تھی۔ لبعد میں جب اسے معلوم ہوا کہ ہم در اصل دونوں ایک ہیں تو اپنے آپ کو ذاتِ حق کے ساتھ واصل پا کر اُس پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔

(۱۳۳)

ژیٖنۍ نوٗوے ژنٛدرمہ نوٗوے

زلہٕ مےٚ ڈیوٗٹھم نوٚم نوٗوے

ییٚنہٕ پیٚنٛٹھ لَلہِ ممہٕ تَن مَن نوٗوے

تَتہٕ لَل بہٕ نوٚم نوٚے چھیٚس

(۱۳۴)

یہِ یہِ کرَم کوٗرُم سُہ ارزُن

یہِ رَسَنہِ ووٚژوٗرُم تی مَنتر

یُہُے لوٚگمو دٕہَس پَرزُن

سُے یہِ پَرَمہ شِوُن تَنتر

(۱۳۳)

دیکھتی ہوں روح کیا اور چاند کیا — نو بہ نو صورت میں دونوں رونما

دیکھا میں نے یونہی جب پہنائے آب — دمبدم، لحظہ بہ لحظہ تھا نیا

تن بدن کو اور من کو صاف و پاک — جب سے اسے لل میں نے بالکل کر لیا

پاتی ہوں اپنی حیاتِ مغتنم
نو بہ نو تازہ بتازہ دمبدم

نوٹ :- قدرت کے مناظر ہر دم بدلتے رہتے ہیں۔ چاند ہر دم نیا ہے بلکہ ساری کائنات جو مستحکم اور نہ بدلنے والی معلوم ہوتی ہے وہ بھی بدلتی رہتی ہے۔ مگر انسان ہے جو ماضی اور مستقبل کی دُنیا میں رہتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو انسان کا شعور بھی بدلتا رہتا ہے۔ مگر چونکہ انسان ماضی کی یادوں اور مستقبل کی جھوٹی آشاؤں سے آزاد نہیں ہوتا، وہ زماں و مکاں کی قید میں پھنسا رہتا ہے۔ لل اب ان قیود سے آزاد ہے۔ اور ہر لمحہ نئی ہے۔ اُس کے لئے اب نہ ماضی ہے، نہ مستقبل۔

(۱۳۴)

میں نے کیا جو کام عبادت سے کم نہ تھا

نکلی جو بات منہ سے وہ منتر سے کم نہ تھی

ہر انگ تھا بدن کا اسی بات کا گواہ

منتر جو 'پرم شو' کا ہے اسکا ہے یہ نچوڑ

لل دید
نصر الدین :-

سہری بیس ہیُو نہ پرٛکاش کُنے
گنگہِ ہیُو نہ تیٖرتھ کانٛہہ
بائیس ہیُو نہ باندو کُنے
زنہِ ہیُو نہ سوکھ کانٛہہ

شیخ نور الدین :
سدھ مول

اچھن ہیُو نہ پرٛکاش کُنے
کوٹھین ہیُو نہ تیٖرتھ کانٛہہ
چندس ہیُو نہ باندو کُنے
کھنہِ ہیُو نہ سوکھ کانٛہہ

لل دید :-

مایہِ ہیُو نہ پرٛکاش کُنے
لیہِ ہیُو نہ تیٖرتھ کانٛہہ
دیس ہیُو نہ باندو کُنے
بیس ہیُو نہ سوکھ کانٛہہ

تمہیدی نوٹ :- شیخ نورالدینؒ جو چرار شریف میں رہتے تھے اور ایک بلند پایہ صوفی تھے۔ لل دید کے ہم عصر تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے ایک خاص مرید بابا نصرالدینؒ اکثر اوقات لل دید کے ساتھ تصوّف اور روحانیت سے متعلق مسائل پر مناظروں میں شریک ہوتے تھے۔ ان مباحثوں اور مناظروں کا ذکر قدیم فارسی کتب 'نور نامہ' اور 'رشی نامہ' میں پایا جاتا ہے۔ نمونے کے طور پر تینوں کا کلام ملاحظہ ہو۔

بابا نصرالدین کہتے ہیں :-

(الف) روشنی جیسی ہے سورج میں کسی شے میں نہیں ۔ جیسا تیرتھ رودِ گنگا ہے کوئی ویسا نہیں
بھائی سے بڑھکر کسی کا رشتہ ہو سکتا نہیں ۔ دیتی ہے سکھ جیسا بیوی کوئی دے سکتا نہیں

شیخ نورالدینؒ فرماتے ہیں :-

(ب) روشنی جیسی ہے آنکھوں میں کسی شے میں نہیں
اور ٹانگوں کے برابر کوئی تیرتھ ہے نہیں
جیب اپنی تو سمجھ لے سب سے بڑھکر رشتہ دار
دیتی ہے سکھ جیسا چادر کوئی دے سکتا نہیں

لل دید فرماتی ہیں :-

(ج) روشنی جیسی ہے عرفاں میں کسی شے میں نہیں ۔ جذبۂ عشقِ حقیقی سا کوئی تیرتھ نہیں
ذاتِ حق جیسا نہیں دنیا میں کوئی رشتہ دار ۔ سب سے بڑھکر سکھ کا باعث ہے فقط خوفِ خدا

نوٹ :- ایک روایت ہے کہ یہ مناظرہ درحقیقت لل دید اور اس کے گورو سدھ بابو کے درمیان ہوا تھا جس میں پہلا واکھ (الف) لل دید نے کہا، اور دوسرا (ب) سدھ بابو نے۔ اس پر لل دید نے تیسرا واکھ (ج) کہکر سدھ بابو کو لاجواب کر دیا۔

ضمیمہ

رتم ترادٕ ی۔ پیٚتھ (متروک) تہٕ پرانٕی لفظ یم یمن واکھن منز ورتہٕ آمٕتہٕ چھ مگر تشریحی نوٹن منز چھنہٕ ویژھناونہٕ آمٕتہٕ۔

نمبر	لفظ	معنی	نمبر	لفظ	معنی
٢	سُمن سوٚنھ	سُمو (کدلو) سان سوٚتھ	٨	دوٚگھش کرِتھ	ژِھپتھ - دوہ کھرِتھ
٣	دیٖہہ کاڈ	بدنک سیٖزر	٩	غاصِل	ژھوٚنٹھ
٤	ہارِنجہ	کمانہ	١٠	دِشہ	(دِشا) طرفہٕ
	ابکھ	اَن ہیٚچھرے		انتہٕ	آخرس کنہٕ
	رازہ داعنی	رازہٕ عمل - لئر	١١	اژھینن	ژھینہٕ روٚس
٥	لوہ لنگر	شُتُرو لنگر - گرہستھ	١٢	اوزُن (بوزُن)	دٕنیچ محنتیچ موٚزوٗری
		دنیاوی کاروبارٕ ہُس	١٧	مارگ	وتھ
		دُنیاہس سیٖنہٕ گنڈِتھ چھ		لاماژ کرہ	(ماترِ کا منڈل) شکتی ین
		ھثوان۔			ہُند سُموہ۔
	زِرہ سپرپ	(تجمہ) پنُن اصلی آتما		کرِہ دار	کرِ ے (عمل) دارِتھ
		روپہ۔	٢٠	بم	حیلہ - مارس مُوٚرِ کھارنہٕ
٦	دِشہ پوز	کم عقل (دِش - ہکہ قسم)	٢١	تُروٚگ	گُرہ

نمبر	لفظ	معنی	نمبر	لفظ	معنی
۲۲	سپرشہ	سرہ (محسوس کرہ نہ)	۳۹	کرشِ بیے	یمہ سہر کاغم کرنہ پزہ
	نیچھ	جان (نیچھ ناوں)		دھارن تہ پارن	ورت (فاقہ) تہ
۲۳	تورگ	گرو			روزہ (درپن)
	گگن	آسمان		کاے	بدن
	برمہ دون	پھیرہ دون	۴۰	ژلہ ژنتا	ژلہ ون من یا شعور
	رمیشہ	اُچھ ٹینٹہ		ژنتھ	(چنتا) فکر
	یوزن	(یوجن) ۴ میل		کھیو دہرہ	بوچھ ژلہ
	پکھچ	ہگر		کو۔ زنتھ	کس زانہ۔ کوہ زانکھ
۲۴	رسائن گنٹھ	اکسیر۔ کیمیا بناؤ تھ	۴۱	وٹا	کنہ وٹھ
	ناڑہ دل	ناڑیں ہند گیوڈ		دور وٹا	(دور کی کنیتن ہند منڈر)
۳۲	انیۓ بُڑھ	اُنہ سنزہ خصیہ		ہوٹہ	گاٹل۔ پورمت
۳۴	ہل کورمس	زور لگو مس		سنگاٹھ	میل۔ واٹھ۔ یکہ ونہ گروں
	رسہ نشہ تہ	طاقتہ نیبر تہ		ذل	(جل) آب
۳۶	نیُچھر تہ ساتھ	(ننگھشتر اور ساعت)	۴۲	سدبھاوہ	پزہ دلہ
	سلس	(سلِل۔ آب۔ پونی)		رنتھ	پزھتھ دوہ
	لون	نون		سادہ	(سواد۔ مزہ) ابدی آنند
	دہ رلب	لبُن مشکل۔ نایاب		پیئرسے	(پیون) پیئہ بیے

نمبر	لفظ	معنی	نمبر	لفظ	معنی
	اَکڑِی	کینہ نہ کرہ وُن ۔ کرہ وُن تہ کرموَ نشہِ موہ گُل ۔		پرٔنتھ	ونتھ
۴۴	لَز	(لجا) شرم	۵۰	ژرمن	(چرم) ژم
	اَشیت	تیز		پھلِہی سوو	پھل (میوہ) دِیہی بسیار ۔
	نواری	کاسی		کنیز داندس	(کونس) بادامی رنگہ داندس ۔
	ترٔن	(تنکا) گاسہ، تجُہ	۵۱	اوٗبستارک	بیمن نہ کانہہ ویستار (طور طریقہ) آسہٕ لاپروا ۔
	آہار	کھیَن	۵۲	سکھم	(شوکھشم) زاوِیل
	اَڑتین	بے جان		ابھیاسکہ	ریاض کرنہٕ کہ
	سُرتین	جاندار		نیشپھے گوم	(شکہ روٗس) پرووم
۴۵	نشیپھُر	پُڑھ روٗس	۵۳	کیسر	سہہ، شیر
۴۶	اَبلہِ	(ابلا) کمزور		پُرٔن	پوٗرم
	بوَہ رُز	زندگی بندی رُوگ تہ بیمارہ ۔ تہ سمسار کِ دوہ کھ	۵۴	کھاریک	سیر ژل من داب خشک ورگر (پچھیرہ)
۴۹	زایوٗ	چھلہ چھانگرہ کرون	۵۵	کُسمو	پوشو
	اَٹھ کدٗہنہ	پاز کرون ۔ ھتھو تلیٹھ نیبر کڈُن		امہ لاعنہ	گل ورٗس ۔ پاک

نمبر	لفظ	معنی	نمبر	لفظ	معنی
۵۶	نیٚنٛدا	لوکہٕ کتھہٕ بدرد		وونہ لامی	شیرُن تہٕ پارُن
۵۷	بول پٕڑہی نیٚم	کتھہٕ بدرد ووٚنہٕ نم	۶۰	امبر	پلو
	داسا	جاے		سوٕ پرہ	یُس ساری ہی تھوٗد
	کھیدہ	دشہ کھہ تکلیف			(پرٕ) چھہ - چھتہٕ
	ہکرِس	آءنس			پنٛنی اصلیت - پننے
	ساسا	شوٗر			آتما (سعم)
۵۸	پُشتھہ	وٕچھتھ	۶۳	وِوُ	(وِھبو) رازہٕ ہسی
	کور	کوٗن	۶۵	دٕنی	وٕنہٕ (دھن) والی
	شرُتہٕ ووٗن	بوزہٕ ووٗن			رازہٕ خوش نصیب
	تنو وِدِس	یَس تنون ہنٛز زان	۶۶	زیوٕنت	زندٕ ے
		چھیہ - تنو گے ژم ۳۶	۶۸	شیل تہٕ مان	چال چلن تہٕ شہرت
		categories		مُلی	(مُلی) طاقتور
		ریموٗ بیتی (شیو خلاسنی	۶۹	ہنتواہ	دزہٕ ووٗن نار
		رکنی) ساری ہی کائنات		دوٗر دوٗاگمن	آسمانی دوٗد وکرُن
		بنیم ژ چھے ۔		پیرد تریتھ	(پیرُن) کھوٗرُن
۵۹	کندیو	دیہہ داری - انسانٕ			بیٹھہ پکُن .
	کندے	بدن		کاٹھ وینہ	ہیچوہ گاوِ

نمبر	لفظ	معنی	نمبر	لفظ	معنی
	سکوٓل	سورٹے	:	سندرہ	(سندیہہ) شک کرُن
٧٠	وَتہ ناجشو	وَنہ پیٹھ لوٹن واعلی	٧٧	گیہہ	گرہ بار
	سنمتھ	شہوت۔ کام		تیزی	(رنج) تراوی
	ویونڈن	موٹن		ویپھوٓل	پھل یافایدہ روس
	سوءاس	سور		واس	(آرام) جاے
٧١	مَنے	زاع نتھ ماعنتھ		کندیو	کینٹرشو
	وِشے	اصلیت (مُول کتھ)		سوءاس	نفس۔ شاہ
	دڑو	مضبوط۔ اٹل	٧٨	کلَن	(کل۔ تمنا)
٧٢	رنگس	سیٹیجس پیٹھ		کالہ۔ زاعلی	(کال۔ وقت)
	وَیر	دشمنی۔ نفرت			دقیچ والہ واعش
٧٣	کلپین	(کلپنا) بُرتہ بیہوٓدہ			یاوقتک زال۔
		خیال		وَیندروگیہہ	وَرتاوِوگرہ بار
٧٤	شرہ گرہ ناتھ	تھدین دیوتاہن		اَموٓل	مُل، روٗس۔ پاک
		ہندتہ خالق وَمالِک	٧٩	دِشمس	کھُریدار
	ادُسے	دوئی روٗس		پاشس	زالس
٧٥	سدائے	(صدا) دوہ ہے		ابوٓدی	بیقلن (بدھی روس)
	بودُم	(بادھام) دوہ کھٹ دِنم)	٨٣	پڑکرتھ	(پڑکرتی) مادی

نمبر	لفظ	معنی
		یا خارجی کائنات بمقابل آتما۔
	ہوٚنژم	(ہوٚد گرٛٹھن ہوہ کھُن موہ ژُن)
۸۸	برہمہ ۂژہی	برہمن ہتیا یہ (قتل) یتھ برابر کوٗر زیٛنہ اتھ مانہٕ یوان۔
	گژٔ	(گتی) چال
۹۱	وُدِی	ہُشیار
	اُپتی	ناپاک
۹۲	گوٗ	کنکھ (گندم)
۹۳	سٔرگال	شال
	سَگی	سائری
	نینگہٕ	لٹہٕ
۹۵	ڈِنگہٕ	شوٗنگہٕ بینسر تراوِہ
	وُترِہ	تھکہٕ روٚس ہمیشہ
	تیلی	شروِہ۔ وارِہ وارِہ پکہٕ یا دٔسہ

نمبر	لفظ	معنی
۹۶	اکوہل	یُس 'کوہل' یعنی ساری سے کائناتس اپور چھُ۔ مطلق
	داعڈی	(داعڈی۔ مضبوط) ہمیشہ رُدزن وول
	پنچہ بینڈی	پانژن بیندرین (قولے) ہُمند
۹۷	اشوٕوار	گرٛکہ سوار
	چیڈیس	کھیٔس
۹۸	اناہتھ	او مکار۔ آواز یوہ اٹل چھُ۔
	کھہ سوہ رٔپچھ	(کھہ۔ آسمان) ہس نہٕ کانُہہ رُوپ چھُ
	شُنیاے	یُمی سُند گرہ شنیس منٛز چھُ یعنی لامکان
	ورن	ذات۔ رنگ
۹۹	زَنَنہٕ	زِنہٕ۔ ماجہ
	وہ درس	گرٛبس۔ شرٛی بانس

نمبر	لفظ	معنی
	کلیش	دوکھ۔ تکلیف
	دۄار بَرنہٕ	دروازس پیٚٹھ پڑارنہٕ۔
۱۰۰	شٔیِل	(شِلا) بٔڈ کٔنۍ
	پٔٹِس	پاعہ ترٛۄہِ سٔرٛٹکہ
	پرُتھِوُن	زمینک (پرِتھوی) سۄہند
۱۰۱	ماترِ ریپ پیٚےٚ	ماعج لاعگِتھ دودھ (سگ) ہے بَرہِ
	وشیش	بَنہِ خاص پٔنٕنز
	مایا ریپ	زنانے مگر دوکھ دِنہٕ دوا جیٚنۍ بَنِتھ
۱۰۲	وَرُن	(بارِنک دیوتا) آب
۱۰۴	زوسہ	ژاس کرِہ
۱۰۷	بان	آفتاب۔ سِرِ یہٕ
	بھُوربھُوہ سۄہ	ترٛنٕ عالم۔ زمین ریژِنہٕ آسمان مادی

نمبر	لفظ	معنی
		ذہنی تہٕ روحانی عالم
	وٕنیس رٕنتھ	(وٕنیس رِنتھ) رخصت ہیٚتھ دراے)
۱۰۸	ابھیاعسی	مشق۔ ریاض۔ سیتھ
	شوکاعسی	ویکاسہٕ سۄس سیٚتھاہ پھیلاوٕ ہیٚکہ چھُ۔ ساعرِی کائنات
	لیہ ووتھُو بیگُن...	فناگو (لے یِیُل فنا) صفاتو سۄس (یعنی ساعری کائنات ییٚج گگنس تہٕ زَن گو خلاہس منٛز گیہ غاعب۔)
	ژرژاٹ	ژرژٹھ (صدا) دِتھ
	اناھَے	(خلاہ تہٕ گۄل تہٕ وجود محض) برنہٕ مطلق تہٕ خدائے تعالٰے اوت۔
۱۰۹	کیول	ساعری کائنات یوہ

نمبر	لفظ	معنی
		٣٦ تتو وسیتھ ژھیمبرٕ (وُچھو ٥٨ نمبر)
	مانُس	مَنُش
	مُدرِ	(مُدرا) اَنگُن تہٕ اَتھ بَنگن ہِنز ہو کرٕ تہٕ شکلہٕ ییمہٕ پٕوزا ییہٕ ورٕزِ بناونہٕ یوان چھےٚ
	پرویش	دخل
	موٕ تہٕ - ییے	موٕ ژییے
١٠	دھییے	یۆگیک دھیان ییہ کٔرتہٕ
	سروٕ کرٔتی	سارٕہی کرن وول۔ خالق
	اَنوسے	پَزر۔ مطلب
	لَیہِ	(فنا)
	پَر	(اُتم) سارِوٕے کھۆتہٕ خداے تعالےٰ۔
	پشِتھ	وُچھتھ

نمبر	لفظ	معنی
١١١	... سَلِل ...	آب (پتیر یوتہٕ بییہ مَیخ)
	... ہیمہٕ ...	ہِمُم (شین) ہیٲری بتھون بتین پہاڑی گمنی.
	باتہٕ	(باتُھن۔ چھکُن۔ پرزلُن)
	سب سُمے	سور ہُے سَمہِ
	ژہرا ژر	جاندار تہٕ بے جان حرکتھ داٲلی تہٕ حرکتھ رٔستی۔
	ژگ پشا	(جگت) کائنات وُچھ
١١٢	گرٔنس	کائناتس (یہ سۆرُے گرہٕ آمُت چھُ)
	سترزِ کھ	داغ رتھ
	پرٕمان	(وزن۔ پرمانہٕ۔ ناپ تول) بجر
١١٣	... ہِنی آکار	نشانہٕ مٹِوو نُم۔ لاہس سیتی ملہٕ ناوونس.

عمنې	لفظ	معنی
١٣٥	کهنه شوی	گوه په پیره ژادره شوی.
	بېيَس شوی	خوف خدائیې شوی